شجاعان تاریخ اسلام

کا

ایک ورق

سازمان تبلیغات اسلامی روابط بین الملل
360

نام کتاب : شجاعان تاریخ اسلام کا ایک ورق

ترجمہ : مولانا سید حسن عباس فطرت

ناشر : سازمان تبلیغات اسلامی روابط بین الملل

شعبہ اُردو

تاریخ : رجب المرجب ۱۴۱۰ ھ

کتابت : نصیر احمد جسکانی

تعداد : ۳۰۰۰

پیشکش

تیرے حضور !

اے شیر دل جوان یہ نذرانہ ہے تیری بارگاہ کے لئے

اے وہ شجاع و جری سپاہی جو راہ خدا میں جاں بکف لا الہ الا اللہ کے پرچم کی سرفرازی و استقلال کے لئے شب و روز مصروف تگاپو ہے دین و رہبر کی ہدایت پر نظر جائے جہاں بھی خطرے کی بو پاتا ہے، راتوں رات اس طرف دوڑ پڑتا ہے اور طلوع فجر کے قریب یا شہید ہو جاتا ہے یا سر بلند و سرفراز ہو کر واپس آتا ہے۔

ہاں یہ ہدیہ تیری جناب میں ہے

اے جاں بکف مجاہد راہ مولا

داستانِ ۔ بی ۔ ٹی ۔ سی

بسمہٖ تعالیٰ

حرفِ آغاز

خاکہ نگاری، تالیف و ترجمہ اگرچہ لکھنے والے کا اپنا مال نہیں ہوا کرتا پھر بھی خواہ مخواہ عنوان کے دریچے اور بین السطور کی جالیوں سے اس کی اپنی شخصیت جھانک تاک لگائے رہتی ہے۔ مثال کے طور پر معلم شہید ڈاکٹر علی شریعتی کو جس کتاب نے ترجمہ کے لئے پر چایا وہ تھی "ابوذر" اسی طرح رہبر انقلاب اسلامی ایران آیت اللہ سید علی خامنہ ای نے ترجمہ کے لئے شہید سید قطب کی کتاب کو منتخب کیا۔ چنانچہ راقم الحروف نے بھی بہت سی اچھی کتابوں میں سے "داستان شجاعان در تاریخ اسلام" کو ہی ترجمہ کے لئے اٹھایا کہ یہ میرا پسندیدہ موضوع ہے اور میری نظر میں اسلام شجاعت کا خدائی نام ہے۔ اور یہ ایسی داستانیں ہیں جن کو گھر گھر اور بچے بچے کو سنانا اشد ضروری ہے آخر اسلام کے دور اوّلین کے یہ جواہر پارے جانے کیوں تغافل کی بھاری چٹان تلے دبا دیئے گئے تھے۔ یہ غور و فکر کا مسئلہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ بھی دشمنان اسلام کی ان ہی کارروائیوں کا حصہ ہو جس میں جہاد کی ابن الوقتی تاویلیں کر کے مسلمانوں کو بے حس اور کند بنانے کی بھرپور کوشش کی جاتی رہی ہے۔

بہر حال خدا کا شکر ہے کہ ایران میں اسلامی انقلاب آیا اور اس نے اسلام کی تمام نرم و سخت تہوں کو ٹٹول کر حقائق کو آشکار کیا اور بہت سے غلط مفروضات و دسیسہ کاریوں کو واضح دلائل و نصوص قطعیہ کے ذریعے ختم کر دیا گیا۔ خصوصیت سے

اس نے اسلام وشجاعت، مسلمان وجہاد کے ٹوٹے ہوئے تار کو پھر سے جوڑ دیا جس سے دوبارہ اسلام میں صدرِ اوّل کی برقی رو دوڑنے لگی ہے اور اسلام کا نکھرا چہرہ نہایت شفاف وزیبا ہوگیا ہے۔ امید ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر وہی مقاصد حاصل ہوں گے جو مقصود باری ومنظورِ نبی امیؐ ہے۔

کتاب کے اسلوب میں ایک عجیب والہانہ پن سرسراتا ومچلتا رہتا ہے۔ یہ مؤلف کی اپنی شناخت اور دین ہے جس سے معاملہ دوآتشہ ہوگیا ہے۔ ترجمے کا کام تصنیف سے زیادہ مشقت و دلجمعی چاہتا ہے اور اکثر یہ کام خشک وصبر آزما ہوتا ہے مگر مجھے اس کتاب کے ترجمے میں جو آسودگی ونشاط وروح حاصل ہوا۔ وہ شاید ہی میری کسی اچھی تصنیف نے دی ہو اور میرے خیال میں اس وصف کو بھی مؤلف کے کھاتے میں جمع کرکے ہم سب کو ان کے لئے دعا خیر کرنا چاہیئے یقیناً اسلام کے خلاف باطل کی حالیہ جنگ میں رزمندگانِ اسلام کی بعثی عراقی افواج اور استکبار پر معجزانہ برتری اور قادسیہ صدام کے پرزے اڑانے میں اس طرح کی تحریروں کے بھی چھپے ہوئے ہاتھ شامل ہیں۔ آنے والے وقتوں میں اس ایمان افروز وتوحید نما کتاب کو بھی مسلط کی ہوئی جنگ کے برکات میں شمار کیا جائیگا اور اس طرح کی داستانوں کی صحیح عظمت تسلیم کرکے اسے دنیائے اسلام میں عام کیا جائے گا۔

حسن عباس فطرت
امام باڑہ کمپاؤنڈ ۔ پونا ہندوستان
ماہ رجب المرجب ۱۴۰۴ ہجری

مقدمہ مؤلف

تاریخ میں انسان نے جب سے زندگی کا آغاز کیا ہے اس عہد کی ضرورت اور مسائل نے اسے فکری و عملی طور پر کچھ نہ کچھ کرنے کی ذمہ داریاں سر پر ڈالی ہیں۔ افراد کے شغل و ہنر کے لحاظ سے یہ ذمہ داریاں مختلف ہوتی ہیں۔ ایک کسان کو جب احساس ہوتا ہے کہ اس کے ملک کو تولید کی زیادہ احتیاج ہے اور اگر وہ محنت کرے تو بازار میں غلہ کی زیادتی سے ملک کا اقتصاد بہتر ہو جائے گا تو وہ پیداوار بڑھا کر ملک کی خدمت کرتا ہے، جس طرح ایک کاریگر جب یہ دیکھتا ہے کہ جس سماج میں وہ رہ رہا ہے اس کو صنعتی پیداوار کی زیادہ احتیاج ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس موقع پر اپنی ذمہ داری کو نبھائے اور اپنے ملک کو اس کمی سے نجات دلائے۔

اسی طرح ایک لکھنے والا جب احساس و مشاہدہ کرے کہ اس کے عہد کے لوگوں کو ایسی ترغیب و تحریک اور تشویق کی ضرورت ہے، جوان کو حرکت میں لائے تاکہ وہ اخلاقی و اجتماعی و مذہبی مسائل سے آگہی حاصل کرتے ہوئے اپنے ملک کی آزادی اور دین کی حفاظت کے لئے جہاد کریں اور ملک کو خطرے سے باہر نکالیں تو اس وقت اُسے چاہیئے کہ وقت و احتیاج کی آواز پر دوڑ پڑے اور عوام کے افکار کو اپنی ذہنی آزمائشگاہ قرار دے کر کلام الٰہی و حدیث و اخبار اور کتب تاریخ و سیرت یا اخلاقی و علمی کتابوں سے اس دور کے لئے مفید مطلب چیزیں نکال کر آسان زبان میں شعر یا نثر خطبہ و وعظ یا داستان کے انداز میں پیش کرے جس سے تمام طبقات کے افراد مستفید ہوں۔

عین ممکن ہے کہ اس قسم کی تحریریں تہذیب و اخلاق عمومی کے لئے بھی

سودمند واقع ہوں اور اس کے نتیجے میں اسلام کا مقصد حقیقی بھی حاصل ہو اور وطن کی آزادی بھی ہاتھ سے جانے نہ پائے اور مکر و فریب واستعمارگری و ظلم و استبداد کی روک تھام بھی ہو سکے۔ اس خیال سے میں نے ارادہ کر لیا کہ تمام مشاغل اور مصروفیات کے باوجود وقتاً فوقتاً اسلام کی بیش قیمت داستانوں کو لکھتا جاؤں اور اس ذریعے سے اپنی ذمہ داری کو پورا کروں اور اپنے دین و ملک کی خدمت کروں اگرچہ جانبازان اسلام کے مقابلے میں میری یہ خدمت کوئی قیمت رکھتی ہے نہ رکھ سکتی ہے۔

یہ کتاب بطور داستان کیوں لکھی گئی ؟

انسان اس دنیا میں ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے کہ آئندہ قیامت تک کے حالات و واقعات کو دیکھے اور تجربہ حاصل کرے بلکہ انسان کی عمر محدود ہے اس کی نگاہ محصور ہے۔ انسان کی عمر کا حاصل دوسروں کی زندگی سے مٹھی بھر تجربہ اکٹھا کرنے اور اس کے سہارے اعلیٰ مدارج تک پہنچنے کے سوا کچھ نہیں اور اس کا بہترین طریقہ صفحاتِ تاریخ کی ورق گردانی اور اسے چشم دل سے دیکھنا ہے جیسا کہ حضرت علیؑ نے اپنے فرزند امام حسنؑ سے فرمایا:

"اے فرزند! اگرچہ میں نے تاریخ کے تمام گزشتگان کے ساتھ زندگی بسر نہیں کی ہے مگر ان کے حالات کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور ان کے باقی ماندہ آثار پر نظر کی ہے۔ اسی سے ایسا لگتا ہے کہ میں ان لوگوں کے ساتھ تمام مدت زندگی بسر کرتا رہا ہوں ــــــ ۔ ۔ ۔ ۔"

ضرور ایسا ہے۔ تاریخ زمانے کی محافظ ہے۔ پرانے لوگوں کے حالات جب داستان کی صورت میں دہرائے جاتے ہیں تو پڑھنے والا ان کے

ماحول و زندگی سے آشنا ہوتا ہے اور اپنی زندگی کو بھی ان ہی جیسا بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

کتاب کا یہ نام کیوں ؟

الف ۔ یہ ان بہادروں کی داستان ہے جنہوں نے اپنی سرتوانائی و فداکاری کو اسلام کی مقدس راہ میں صرف کیا اور پرچم " لا الٰہ الا اللہ " کو باقی رکھنے کے لئے اپنی بے مثال بہادری کا انمٹ نشان چھوڑ گئے۔

ب ۔ اس کتاب کے پڑھنے والے وہ لوگ ہیں جن کے قالب میں روح شجاعت دوڑ رہی ہے اور ان کو یہ داستانیں پڑھ کر مخصوص لذت ملے گی اور جہاد کے بعض مواقع میں داستان کے اصلی ہیرو کی جگہ وہ خود کو تاریخ کا دہرانے والا خیال کریں گے اور بغیر خوف و جھجک کے آگے قدم بڑھاتے رہیں گے۔

ج ۔ اس کے علاوہ شجاعت ایسی چیز نہیں جو کسی زمانے یا تاریخ کی دین ہو اور وہ بھلا دی جائے۔ شجاعت انسان کی اہم صفات میں ہے جو خود خدا نے اسے ودیعت کی ہے اور دین، نفس، ناموس، مال، ملک، آزادی اور بہت سی دیگر چیزوں کی حفاظت کے لئے اس سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

د ۔ ذہن میں خیال آیا کہ وہ لوگ جنہوں نے اپنی تجویز و مقالہ میں " داستان شجاعان " کا عنوان رکھا ہو ان سے معذرت کرتے ہوئے اجازت حاصل کروں اور اس کتاب کا نام (داستانِ شجاعان در تاریخ اسلام) رکھوں۔

ماخذ :-

ارادہ تھا کہ ہر داستان کے آخر میں ماخذ کا تفصیلی حوالہ دے کر پڑھنے والوں کو زیادہ مطمئن کیا جا سکے گا مگر مختلف اسباب کی بناء پر ایسا ممکن نہیں کیونکہ یہ

داستانیں ماخذ سے ہو بہو نقل نہیں کی گئی ہیں اور اس میں مختلف اسالیب و انداز بیان کا استعمال بھی کیا گیا ہے۔ اس لئے یہ مناسب معلوم ہوا کہ کتاب کے خاتمہ پر ان کتابوں کا نام دے دوں۔ اگر درمیان میں جگہ جگہ اس کا اشارہ کیا جائے تو لطف میں کمی آجائے گی۔

کتاب کے اہم مقاصد

۱۔ داستان کے لباس میں شجاعت کے لحاظ سے تاریخ کے وقائع کو دہرانا تاکہ قاری کی اپنی تاریخ سے تھوڑی آشنائی ہو جائے۔

۲۔ داستانوں کو پسندیدہ و دلچسپ بنا کر پیش کیا گیا ہے تاکہ پڑھنے والا اکتا نہ جائے اور مطالعے کا فائدہ فوت نہ ہو جائے۔

۳۔ یہ کتاب کسی خاص طبقہ یا گروہ کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس سے ہر طبقے کا شخص استفادہ کر سکتا ہے۔

۴۔ عنوان پر خصوصی توجہ اس لئے دی گئی ہے کہ قاری کی توجہ داستان پر زیادہ ہو اور مطالعہ سے نتیجہ بھی بہترین برآمد ہو اور یہ عنوان ذہن میں گھر کر لے اور بعد میں جب عنوان کی یاد آئے تو پوری داستان پیکر کی صورت میں سامنے آ جائے۔

۲، محرم الحرام ۱۴۰۱ ہجری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زندہ دل بوڑھا

"اے خدا کے رسولؐ! میری داڑھی سفید ہو چکی ہے، جسم لاغر ہو گیا ہے میری استدعا ہے کہ آپ میرے لئے خدا سے راہِ حق میں شہادت کی دعا کریں"

اے آزاد دنیا کے باشندو! اگر تم تمام عالم کے مادّی و معنوی مکاتب کا گہرائی و باریکی سے مطالعہ کرو تو تمہیں بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ زندۂ جاوید اسلام کے علاوہ دنیا میں ایسا کوئی مکتب نہیں جو انسان کو اس کے حالیہ مقام سے اٹھا کر اس بلندی تک پہنچانے پر قادر ہو، جہاں تک اسے اصلاً پہنچنا چاہیئے۔

اس بات کی تصدیق کے لئے تاریخِ اسلام کی ورق گردانی کرو اور دیکھو کہ اسی انسان ساز مکتب نے کیسے کیسے افراد جو انسانیت و فضیلت کے اعلیٰ نمونے تھے اپنے مکتب میں، ان کی تربیت کر کے انسانی معاشرہ کو ان کے وجود سے فیضیاب اور مالا مال کر دیا اور خود کو اس اعلیٰ وارفع مقام پر بٹھا دیا جس کے کہ وہ اہل تھے بقول سعدی شیرازی ——— "رسد آدمی بجائے کہ بجز خدا نہ بیند" آدمی اس جگہ پہنچ جاتا ہے جہاں اسے سوائے خدا کے کچھ دکھائی نہیں دیتا ——— بالکل درست ہے اور جب اس مکتب آسمانی کی روح کسی حقیقی مؤمن کے جسم میں اتر آتی ہے تو پھر وہ خود خدا کے درمیان کوئی حائل و حجاب نہیں پاتا اور وہی ہو جاتا ہے جو اسے ہونا چاہیئے اور اس جگہ پہنچ جاتا ہے جہاں اسے پہنچنا چاہیئے اس کے ثبوت کے لئے ہم ایک زندہ دل ضعیف و پیرمرد کی داستان نقل

کرتے ہیں۔

پیغمبر اسلامؐ نے جنگ اُحد کے موقع پر جنگی سپاہیوں، بڑے بڑے افسروں اور بہادر جوانوں پر مشتمل ایک دفاعی مجلس تشکیل دی اور ان سے جنگ و دفاع کے طریقوں پر رائے طلب کی کہ جو آئین اسلام کے عین مطابق ہو۔ کچھ لوگوں نے رسول خداؐ کو قلعہ بند ہوکر لڑنے کا مشورہ دیا، یعنی یہ کہ شہر سے باہر نہ نکلا جائے اور دفاع کے لئے اونچی اونچی عمارتوں اور ان کی برجیوں سے استفادہ کیا جائے بالمقابل جنگ نہ کی جائے لیکن اس کے بر خلاف دوسرے گروہ نے اس رائے کو بالکل پسند نہیں کیا اور قلعہ بندی کو ایک قسم کے خوف، بزدلی، عیب و ننگ سے تعبیر کیا اور شہر سے باہر نکل کر جنگ کرنے کا مشورہ دیا اور اپنے تئیں اس میں پوری طرح جم کر دشمن سے مقابلہ کرنے کا اعلان و اظہار کیا۔

اب دونوں گروہوں کی نظریں پیغمبر اکرمؐ پر لگی ہوئی تھیں کہ آنحضرتؐ کی مصلحت کس میں ہے اور کس کے حق میں فیصلہ کرتے ہیں۔

اسی اثناء میں ان لوگوں کے درمیان ایک زندہ دل بوڑھا بنام خیثمہ اپنی لاٹھی ٹیک کر کھڑا ہوگیا۔ اس کے چہرے بشرے اور قیافہ سے فداکاری و سپہ گری کی روح آشکار تھی۔ اس نے حضور اکرمؐ کے سامنے دست بستہ اپنی بات شروع کر دی۔

اے خدا کے رسولؐ! ہمارے دشمن (یعنی کفّار قریش) ایک سال سے مسلسل اپنی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں اور اس طرح انہوں نے تمام قبائل عرب کو ہم پر حملہ کی غرض سے اپنے ہمراہ اکٹھا کر لیا ہے۔ اگر ہم باہر نکل کر ان سے نہیں لڑتے اور قلعہ بند ہو جاتے ہیں تو ممکن ہے وہ ہمارے شہر مدینہ کا

ایک مدت تک محاصرہ کئے رہیں۔ اور لمبی مدت کے بعد محاصرہ اٹھا کر اپنے شہر لوٹ جائیں۔ اس سے تو ان کی جرأت وہمت بڑھ جائے گی اور ہم آئندہ ان کے حملوں سے بے خوف و مطمئن نہ رہ سکیں گے، دوسرے یہ کہ وہ اس سے غلط استفادہ کریں گے اور ہمیں لعنت و ملامت بھی کریں گے۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ سال گزشتہ جنگ بدر میں شرکت کی توفیق حاصل نہ کر سکا، حالانکہ میں اور میرا بیٹا، دونوں اس جنگ میں شرکت کے لئے بے چین تھے۔

اس دن ہمارے گھر میں عجیب ماجرا تھا۔ ہم دونوں گھر کا دروازہ بند کر کے جنگ میں شرکت کی رضامندی حاصل کرنے کی غرض سے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی راہ ڈھونڈ رہے تھے کہ کسی طرح ایک دوسرے کو راضی کر کے خود میدانِ جنگ میں پہنچ جائے۔

میں اپنے بیٹے سے کہتا تھا کہ تم جوان ہو۔ تمہارا دل تمناؤں اور آرزوؤں سے لبریز ہے اور تم جوانی کی قوت کو دوسرے اچھے کاموں میں صرف کر کے خدا و رسولؐ کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہو، لیکن میں جو سال خوردہ بوڑھا ہوں میری عمر تمام ہے، معلوم نہیں کل مر جاؤں، بہتر ہے کہ اس مقدس جہاد (بدر) میں شریک ہوں اور تو میری جگہ پر خاندان کی ذمہ داریاں اپنے کندھوں پر اٹھالے

لیکن میرے مطالبات کے جواب میں میرے بیٹے نے چاہا کہ بہر حال کسی صورت مجھے جنگ میں شرکت سے باز رکھے اور خود میدان جنگ میں پہنچ جائے اور اسلام کے نام پر جام شہادت نوش کرے حتیٰ کہ ہم باپ اور بیٹے میں بات نے بہت طول پکڑا اور کچھ طے نہ ہو سکا تو ہم نے قرعہ اندازی کی ٹھانی اور قرعہ میرے بیٹے کے نام نکلا اس نے خوشی خوشی سجدۂ شکر ادا کیا

اور بلا توقف لباسِ جنگ پہن کر میدانِ کارزار کی طرف چل دیا اور کافی دادِ شجاعت دینے کے بعد درجہ شہادت پر فائز ہوگیا ۔ اس واقعہ کو سال بھر ہوگیا ہے۔ گزشتہ شب جب کہ شہر کے تمام علاقوں میں جنگ، دفاع و محاصرہ کی باتیں ہو رہی تھیں، میں بھی اسی فکر میں ڈوبا ہوا تھا یہاں تک کہ میری آنکھ لگ گئی اور مجھ پر نیند غالب آگئی ۔ ناگاہ اپنے شہید بیٹے کو دیکھتا ہوں کہ وہ بہشت کے باغات میں چہل قدمی کر رہا ہے اور وہاں کے میوے کھا رہا ہے اس نے محبت بھرے لہجے میں مجھے آواز دی ۔

(بابا جان! میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں)

" اے خدا کے رسولؐ! میری داڑھی سفید ہو چکی ہے، جسم لاغر ہوگیا ہے میری استدعا ہے کہ آپ میرے لئے خدا سے راہِ حق میں شہادت کی دعا کریں "

۲
تمناؤں کی عید

" خدایا! میرا مقابلہ ایسے سخت دل اور طاقتور کافر سے کرادے جو میری شہادت کے بعد میرے کان اور ناک کاٹ کر لے جائے اور جب تو قیامت کے دن مجھ سے سوال کرے کہ تیرے کان اور ناک کیا ہوئے تو میں جواب دے سکوں کہ تیری اور تیرے رسولؐ کی راہ میں قربان کر دیئے "

اے دنیا کے دانشورو! اور اے وہ لوگو جو اس بات کے قائل ہو کہ انسان دانستہ و نا دانستہ چاہے اُسے چاہے مجان طبع اور ہوائے نفس کا اسیر

ہے اور کسی طرح اس سے آزاد نہیں ہو سکتا اور کوئی مکتب یا مذہب اس پر قادر نہیں کہ انسان کے میلانات و خواہشات کو کچل دے اور آدمی اس سے نجات پا جائے۔

تم پرچم توحید تلے آؤ اور مکتب مقدس اسلام کی طرف گہری نظر کرو تو تمہیں نظر آئے گا کہ اس انسان ساز مکتب نے کیسے کیسے افراد کی تربیت کی ہے جنہوں نے نہ صرف اپنی خواہشات نفس کو کچل دیا ہے اور شیطانی ہوس و طمع کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے، بلکہ آئین حق (اسلام) کو دوام بخشنے کی خاطر اپنی جان عزیز سے بھی ہاتھ دھو لیا ہے اور اس عمل کو بھی پیش خدا نہایت کمترین خیال کیا ہے اور خدا سے دعا کی ہے کہ موت کے بعد ان کی وہ حالت ہو کہ "ایثار" کے تمام پہلوؤں کی تکمیل ہو جائے۔

ہاں! اس مکتب نے سو، دو سو، ہزار، دس ہزار افراد کی تربیت ہی نہیں کی بلکہ اپنی معنوی قوت کے ساتھ ایسے خود فراموش و بے نفس اور درخشاں و جاوداں چہروں کی پرورش کی اور اسلام کے مقدس آئین کی راہ میں انہیں فداکاری اور جانبازی کا سبق سکھایا ہے۔ اور انہوں نے نہ یہ کہ اسلام کے حرم مقدس کو بچانے کے لیے اپنی جان کو خطرے میں ڈالا ہے بلکہ دعا بھی کرتے ہیں کہ (مثلہ) پامال ہو جائیں اور بروز قیامت اسی وسیلے سے سرخرو ہوں۔

اس بات کے ثبوت میں مکتب اسلام کے ایک شاگرد کے حالات تم کو سناتا ہوں۔

عبداللہ حجش اسدی، پیغمبر اسلامؐ کی پھوپھی کے فرزند نے جب اپنے ماموں زاد بھائی کے دین مقدس اسلام کی دعوت قبول کر لی تو آپ کی خدمت میں حاضری

دے کر احکام اسلام بھی سیکھ لیئے اور رسول اکرمؐ کے حامیوں میں گننے جانے لگے کیونکہ وہ اس کوشش میں رہتے تھے کہ پیغمبر اسلامؐ کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔

دن گزرتے گئے حتیٰ کہ وہ وقت آیا جب پیغمبر اسلامؐ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کر کے جنگ (اُحد) کا فرمان صادر کردیا اور فرمایا لوگ توحید کے دفاع کی خاطر کوہِ اُحد کا ارادہ کریں اور اپنے مکانوں سے باہر نکل کر ادھر روانہ ہو جائیں۔

عبداللہ جحش بھی دیگر اصحاب کی مانند اپنے اہل و عیال سے رخصت ہو کر گھر سے باہر نکلے اور اپنے خاندان و چند اصحاب کے سامنے ہی ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کر کے درگاہ الٰہی میں عرض کی۔

"خدایا! تو مجھے ایسے سخت دل و زور آور کافر سے دو چار کر دے جو میری شہادت کے بعد میرے کان ناک کاٹ کر لے جائے اور جب تو روز حشر مجھ سے سوال کرے، تیرے کان اور ناک کیا ہوئے تو میں جواب دے سکوں کہ میں نے انہیں تیرے رسولؐ کی راہ میں نثار کردیا اور تو اس کی تصدیق کرتے ہوئے فرمائے کہ ہاں! صحیح ہے، تو نے میرے لیئے میری راہ میں ناک اور کان قربان کر دیئے ہیں۔

گھنٹہ بھر بعد وہ وادیٔ احد میں حضورؐ کے قریب کھڑے تھے اور آنحضرتؐ کی محافظت کا اہتمام کر رہے تھے جس وقت جنگ کے دوران لشکر اسلام کی حالت دگرگوں ہوئی اور مسلمانوں نے اپنے تئیں شکست خوردہ تسلیم کر لیا اور ان میں سے ایک گروہ پراگندہ ہو گیا اور اس سے بالکل بے خبر کہ جنگ کا فیصلہ کس کے حق میں ہوگا، ہر شخص اپنے حال میں گم تھا کہ اسی اثناء میں عبداللہ جحش کو دھیان آیا کہ دشمنوں نے ہر طرف سے حرکت کر کے پیغمبر اسلامؐ کے قریب آنا شروع کردیا ہے

اور رسول اسلامؐ کے قتل کا ارادہ کر کے آگے بڑھ رہے ہیں، چنانچہ انہوں نے (عبداللہ جحش) بلا توقف دلیرانہ جست لگائی اور آنحضرتؐ کے پاس پہنچ کر آپؐ سے دشمنوں کو دفع کرنے میں مشغول ہو گئے۔

دشمن جس طرف سے بھی حملہ کرتا تھا عبداللہ بھوکے شیر کی طرح دہاڑ کر اس پر پل پڑتے اور اپنی تلوار کے زور سے اسے رسول خداؐ سے دور کر دیتے۔

جب کفّار نے اس ماجرے کا مشاہدہ کیا تو عزم مصمم کر لیا کہ پہلے عبداللہ جحش کو درمیان سے ہٹایا جائے اس کے بعد ہی آنحضرتؐ پر حملہ کیا جائے اور پھر انہوں نے ایسا ہی کیا حتیٰ کہ عبداللہ جحش شہید ہو گئے۔

عبداللہ جحش کے دوستوں میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ جس دن عبداللہ نے اپنے گھر کے باہر آکر راہِ خدا و رسولؐ میں مثلہ پامال و ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی دعا کی تھی، اس وقت میں وہاں موجود تھا اور ان کی باتوں کو بڑے غور سے سن رہا تھا اور ان کی شہادت کے بعد میں نے دیکھا کہ کفّار نے عبداللہ جحش کے کان اور ناک کاٹ کر رسی میں پرو لیا تو میں سمجھ گیا کہ خدا نے ان کی دُعا قبول کر لی ہے اور وہ اپنی مراد کو پہنچ گئے ہیں، ان کی روح شاد ہو اور آرزو بابرکت۔

۳

اس تلوار کا کیا حق ہے؟

"میں کدھر جاؤں؟ اپنی زوجہ کے پاس جو بہر حال مرجانے والی ہے، یا گھر کی طرف جو آخر کار خراب ہونے والا ہے، یا اپنی دولت کی جانب جو مٹ

جانے والی ہے، یا موت کی طرف جو ہر حال میں آنے والی ہے۔"

ابودجانہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، ہاتھ میں تلوار تھی اور کوہ اُحد کے دامن میں رسولِ مقبولؐ کے دفاع میں مشغول تھے اور ہر طرف سے خود کو آنحضرتؐ کی سپر بنائے ہوئے دشمن کے آتے ہوئے تیر کو اپنے سینے پر لیتے تھے اور کلمات درج بالا ان کی زبان پر جاری تھے۔

ابودجانہ کون تھے؟ آئیے ان کو اچھی طرح پہچانیں۔

جنگ اُحد کے آغاز میں پیغمبر اسلامؐ نے مسلمان مجاہدین کی حوصلہ افزائی کے لیے آئی ہوئی وحی کی تلاوت فرمائی۔ پھر لشکر کی صفوں کو درست کیا اور ہر افسر و سپاہی کی جگہ معین فرمائی اور ان کو دشمن سے مقابلے کی نصیحت کی اور اُن سے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ تم اپنے فرائض سے غافل ہو جاؤ اور محاذ جنگ کو خالی چھوڑ دو۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے اسلام کے دلیر سرباز وں اور افسران فوج کو جوش دلانے کی خاطر ایک تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو اس تلوار کو لے اور اس کے حق کو صحیح طور پر ادا کرے؟

ہر شخص اس تلوار کا طالب نظر آتا تھا مگر آنحضرتؐ اسے کسی کو دینے میں تامّل فرما رہے تھے، کیونکہ جانتے تھے کہ یہ لوگ اس کے حق کو ادا نہیں کرسکتے۔

یہاں تک کہ ہماری داستان کے ہیرو اور بہترین سپہ سالار اپنی جگہ سے اٹھے اور آگے بڑھ کر کہا، "یارسول اللہؐ اس تلوار کا حق کیا ہے؟" اور اس کے حق کو کس طرح ادا کیا جاسکتا ہے؟۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

اس کا حق یہ ہے کہ اتنی جنگ کرو کہ یہ تلوار خم ہو جائے۔ ابودجانہ نے کہا،

"اے خدا کے رسولؐ میں اس حق کو ادا کرنے کے لئے تیار ہوں۔
آنحضرتؐ نے ان کی بات قبول فرمائی اور تلوار ان کو دے دی۔ ابو دجانہ نے اپنی جیب سے سرخ رومال نکالا جسے وہ موت کا رومال کہتے تھے اور اسے سر پر باندھ لیا۔ تلوار ہاتھ میں لی اور ایک خاص انداز میں حرکت کی۔ ابو دجانہ جب بھی اس رومال کو سر پر باندھتے تھے تو اس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ جب تک جسم میں جان ہے۔ دشمن کا مقابلہ کرتے رہیں گے۔

اب وہ ایک چیتے کی طرح راستہ طے کر رہے تھے اور وہ افتخار جو ان کو نصیب ہوا تھا، یعنی پیغمبر اسلامؐ نے ان کے ہاتھ میں تلوار دی تھی، ان کے لئے غیر معمولی شادمانی و مسرت کا باعث تھا۔ اس وقت ان کے سر پر بندھا ہوا سرخ رومال بھی ان کی شان و شکوہ میں اضافہ کر رہا تھا پھر کیا تھا! دشمن کی طرف سے جو بھی ان کے سامنے آتا اسے دو ٹکڑے کر دیتے تھے۔ ہمیں یہاں پر اس مرد شجاع کی دلیری و بہادری کی تفصیل بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ صرف ان نازک اور جذباتی لمحوں کو سامنے لانا ہے جو ابو دجانہ نے اس جنگ میں گزارے تھے۔

جنگ احد میں مسلمانوں کے ایک گروہ کی سستی و غفلت اور دشمنوں کی حیلہ گری کے باعث یہ حالت ہوگئی کہ پیغمبر اکرمؐ حضرت محمدؐ کو مشرکین قریش نے گھیر لیا اور ہر طرف سے محاصرہ کو تنگ کرتے ہوئے آنحضرتؐ پر حملہ آور ہوگئے۔ ایسے موقع پر یہی شیر دل مرد ابو دجانہ تھا جس نے یہ ماجرا دیکھتے ہی آنحضرتؐ کی جانب دوڑ لگائی اور وہاں پہنچ کر آپ کی سپر بن گیا اس طرح کہ جدھر سے آنحضرتؐ کی ذات گرامی کو نشانہ بنایا جاتا ابو دجانہ خود کو آگے کر دیتے اپنے سینہ و پشت کو سپر بنا لیتے اور تیروں کو آنحضرتؐ تک پہنچنے بھی نہ دیتے تھے کہ خدانخواستہ ان کو

تکلیف پہنچ جائے۔
انہوں نے پیغمبر اکرمؐ کے آگے اپنا مورچہ بنایا تھا۔ کبھی آنحضرتؐ کی طرف منہ کرکے دشمن کی طرف پشت کر لیتے اور کبھی مشرکین کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے سینہ کو تیروں کے لئے سپر قرار دیتے۔
اس طرح کچھ عرصہ گزرا یہاں تک کہ پیغمبر اکرمؐ نے ملاحظہ کیا کہ ابودجانہ بہت زیادہ زخمی ہو چکے ہیں تو آپؐ نے فرمایا:
"ابودجانہ میں نے تم سے اپنی بیعت اٹھالی ہے! یعنی تم اس میدان جنگ کو چھوڑ کر جہاں بھی چاہو جا سکتے ہو۔"
جس وقت ابودجانہ نے پیغمبرؐ کے یہ فقرے سنے تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور اسی حال میں نہایت آہستہ سے گویا ہوئے۔
"اے پیغمبر خداؐ، میں کہاں جاؤں؟ زوجہ کے پاس جو مر ہی جائے گی یا گھر، جو خراب ہونے والا ہی ہے یا دولت کی طرف جو ختم ہونے والی ہے یا موت کی طرف جو بہر حال آنے والی ہے۔
جب آنحضرتؐ نے اس مرد شجاع و دلیر سے ایسے دلسوز و عمدہ کلمات سنے اور اس کے بہتے ہوئے آنسوؤں پر نظر پڑی تو فرمایا:
"جنگ کرو، میری اجازت ہے اور اپنی بہادری کے جوہر دکھاؤ!"
اس دلیر و نڈر مرد نے کمال بہادری سے پیغمبر اسلامؐ کا دفاع جاری رکھا اور جس طرف سے بھی حضور اکرمؐ پر حملہ ہوتا تھا وہ خود کو سپر بنا کر خطرہ کو دور کر دیتا تھا۔
ہوتے ہوتے بات یہاں تک پہنچی کہ ابودجانہ زخموں سے چور ہو گئے، اور اب ان میں کھڑے رہنے کی سکت بھی نہیں رہ گئی اور بالآخر وہ زمین پر گر کر ڈھیر

ہو گئے۔ حضرت علیؑ ان کو اٹھا کر حضور اکرمؐ کے پاس لے گئے اور آپ کے قدموں میں ڈال دیا۔ ابودجانہ نے آنکھیں کھول دیں اور پیغمبر اسلامؐ کے چہرۂ مبارک پر ایک گہری نظر ڈالی اور عرض کیا۔

"یا رسول اللہؐ! کیا میں نے اپنی بیعت کو پورا کیا ہے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا "ہاں! بے شک!" اور ابودجانہ کے حق میں دعائے خیر فرمائی، تا اینکہ وہ شہادت کے درجۂ بلند پر فائز ہو گئے۔ خدا ان پر رحمت نازل کرے۔

شہید جس کی لاش ٹکڑے ٹکڑے کر دی گئی

"قرآن نازل کرنے والے خدا کی قسم! آج میں غذا کو ہاتھ نہ لگاؤں گا جب تک کہ شہر کے باہر نکل کر دشمنوں سے جنگ نہ کر لوں۔"

یہ پر جوش و بہترین جملے، ایک بے خوف اور دلیر روح کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یہ اسلام کے ایک بہترین افسر کے دہن سے نکلے اور منافقین کی غداریوں کو بے اثر کر دیا اور اپنے لئے اس مرد شجاع نے مدتوں کے لئے سید الشہداء کا لقب حاصل کر لیا۔

جب انسان حقیقت کو پا لیتا ہے تو اس کی روح میں پرواز کی طاقت آ جاتی ہے اور تب وہ شجاعت و بے باکی اور بہادری کی باتیں کرتا ہے۔ ایسی بہادری جو اس لئے حقیقت بن جاتی ہے چونکہ وہ اس کا ایک جزو بن جاتا ہے۔ ایسی دلاوری کہ وہ خود کو اس پر نثار کر دیتا ہے اس کو اپنے اوپر فدا نہیں کرتا۔

وہ حقیقت کو باقی رکھنے کے لیئے قسم کھاتا ہے اور کسی چیز سے دریغ نہیں کرتا، حتیٰ کہ جان سے بھی! وہ جنگ کا مشورہ دیتا ہے اور بغیر کسی ردّ و کد کے خود ہی میدان جنگ میں بصد شوق و شغف شریک رہتا ہے۔

ہاں! اسلام نے ایسے بہت سے بہادروں کی اپنے دامنِ لطف و محبت میں تربیت کی ہے اوران کو اپنے مکتب میں شہادت و بہادری کا سبق پڑھایا ہے ایسے ایسے دلاور جو اپنے حقیقی قانون یعنی اسلام کی توسیع کے لیئے ہتھیلیوں پر جان رکھ کر میدانِ جنگ میں پہنچے ہیں۔ اور قرطاس عالم پر اپنی شجاعت و ہمت کا نقشِ دوام ثبت کیا ہے۔ اورکسی چیز سے بھی دریغ نہیں کیا ہے، حتیٰ کہ اپنی جان بھی دے دی ہے اوراس کے بدلے میں صرف حق و حقیقت کی بقاء چاہی ہے۔ اپنی سلامتی کی کوئی پرواہ نہیں کی ہے۔

جناب حمزہؓ پیغمبر اسلامؐ کے چچا تھے۔ جو اسلام کے ایسے ہی نامی گرامی پہلوانوں اور سپاہیوں میں سے تھے۔ صدر اسلام میں حضور اکرمؐ کے ہمراہ دشمنوں سے جنگ و جہاد کرنے والوں میں حضرت علیؑ کے سوا اور کوئی دوسرا مشکل ہی سے ان کے ہم پلہ ٹھہرتا ہے۔

حضرت حمزہؓ کا شمار عرب کے سورماؤں میں ہوتا تھا اوران کو سب ہی ناقابلِ شکست پہلوان، ایک نڈر سپاہی اور زور آور جوان مانتے تھے۔ اسی لحاظ سے ان کی شہرت تھی جب حضرت حمزہؓ نے اسلام قبول کر لیا تو کفار ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اب محمدؐ اوران کا دین اسلام ناقابلِ شکست ہوگیا ہے۔

حضرت حمزہؓ کا رعب عربوں کے دلوں پر ایسا چھایا ہوا تھا کہ دشمنانِ اسلام کے علاوہ بظاہر اسلام لانے والے مکّار منافقین بھی ان سے ڈرتے تھے، اور

جانتے تھے کہ ان کے سامنے مکر و فریب نہیں چل سکتا اور وہ ہر حیلہ و سازش کو مٹا کر نقش بر آب بنا دیں گے اور ایسا ہوا بھی! جس وقت رسول گرامیؐ اسلام محمدؐ بن عبداللہ نے جنگ اُحد میں دفاعی کونسل بنائی اور دفاع اسلام کے تعلق سے لوگوں سے مشورہ طلب کیا اور منافقین نے اسلام کو نقصان پہنچانے والی رائے کا اظہار کیا اور قلعہ بندی کی تجویز پیش کی تاکہ مسلمان شہر سے باہر نکل کر دشمنوں کا مقابلہ نہ کریں۔

اس وقت یہ عظیم مجاہد اور بیباک سپاہی اور مخلص سردار اٹھ کھڑا ہوا اور پیغمبر اسلامؐ سے مخاطب ہو کر بولا:-

"اس خدا کی قسم، جس نے قرآن کو نازل کیا، آج میں اس وقت تک کھانا نہیں کھاؤنگا جب تک کہ شہر کے باہر دشمنوں سے جنگ نہ کر لوں اور اس بہادر نے اپنے الفاظ پر عمل بھی کیا اور جنگ احد میں پیغمبرؐ کے حکم سے آموجود ہوا اور ہر طرح کی فداکاری اور جانبازی پر آمادگی ظاہر کی اور اس جنگ سے پہلے بھی یہ سپہ سالار جنگ بدر میں موجود تھا اور قریش کے سب سے بڑے پہلوان، ہندۂ جگر خوارہ کے برادر شیبہ کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔

اسی وجہ سے عتبہ کی بیٹی اور ابو سفیان کی بیوی ہندہ جو شیبہ کی بہن تھی حضرت حمزہؓ سے سخت کینہ و عداوت رکھتی تھی اور اس نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ اپنے باپ اور بھائی کا انتقام ہر قیمت پر لے گی۔

ہندہ نے اپنے مقصد کو اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے سخت ترین دشمن اور شقی القلب آدمی جبیر ابن مطعم سے کہہ سنایا اور اس سے درخواست کی کہ جس طرح بھی ہو سکے حمزہ بن عبدالمطلب کو مار گرائے اور میرا کلیجہ ٹھنڈا کرے۔

جبیر بن مطعم نے ہندہ سے وعدہ کر لیا اور اپنی کارروائی میں لگ گیا۔ اپنے غلام

وحشی کو بلایا اور اس وحشیانہ فعل کے لئے اسے آمادہ کرتے ہوئے کہا :

"اگر تو نے پیغمبر اسلامؐ، علیؑ ابن ابی طالبؑ اور حمزہ بن عبدالمطلب میں سے کسی ایک کو ختم کر دیا تو میں تجھے آزاد کر دوں گا" وحشی نے جبیر سے کہا :

میں جانتا ہوں کہ محمدؐ پر کسی طرح قابو نہ پا سکوں گا، کیونکہ ان کے گرداگرد یار و اصحاب کا مجمع ہوتا ہے اور علیؑ ابن ابی طالبؑ کا حال یہ ہے کہ میدان جنگ میں وہ غیر معمولی طور پر ہوشیار و بیدار رہتے ہیں اور ان پر غالب آنا ممکن نہیں۔ ہاں البتہ حمزہ کو میں نے دیکھا ہے کہ جنگ میں اس قدر غضبناک ہو جاتے ہیں کہ اردگرد کے ماحول سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ اس لئے شاید ان کو قتل کر کے میں تمہاری اور دختر عتبہ کی آرزو کو عمل میں لا سکوں۔ پھر بھی یہ کام بہت مشکل ہے چونکہ میں ان کا سامنا نہیں کر سکتا، البتہ حیلہ و مکر سے شاید اس کام کو انجام دے سکوں۔

جبیر اس پر بھی راضی و خوشنود ہو گیا اور وعدہ کیا کہ اگر وحشی اس میں کامیاب ہو گیا تو وہ اپنے وعدہ کو پورا کرے گا اور اُسے آزاد کر دیگا۔

وحشی نے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے قتل پر کمر باندھ لی اور ان کا کام تمام کرنے کے اپنے ارادے کو قطعیت دی اور اس کے لئے جو حیلہ گری کی اس کا بیان وہ خود یوں کرتا ہے۔

جس دن جنگ احد شروع ہوئی، اسی روز سے میں حمزہ کے پیچھے لگا ہوا تھا اور ہمیشہ ان کے عقب میں گھات لگا کر بیٹھا تھا اور ان کو تہ تیغ کرنے کی بہت زیادہ کوشش میں رہتا تھا اور دیکھتا تھا کہ حمزہ بپھرے ہوئے شیر کی طرح دشمن کی فوج پر حملہ آور ہوتے تھے اور خاندانِ عبدالمطلب اور اپنی مدح میں اشعار پڑھتے جاتے تھے اور جس آدمی تک پہنچ جاتے اسے مار ڈالتے۔ کفار ان کے

مقابلے میں ٹھہرتے نہ تھے اور فرار کو ترجیح دیتے تھے اور ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ بھاگ چلو، بنی ہاشم کا پہلوان حمزہ بن عبدالمطلب سر پہ آپہنچا ہے اور اس سے جان بچنے والی نہیں! میں نے اس دار و گیر اور دھر پکڑ میں خود کو ایک اونچی چٹان کے پیچھے اس طرح چھپا رکھا تھا کہ وہ مجھے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ حمزہ جنگ میں مشغول تھے اور کفار کے ساتھ رزم آراء تھے۔

اسی دوران میں نے اپنا "زوبین" (نیزہ) اٹھایا اور ایک مقررہ فاصلے سے اسے حرکت دی اور حمزہ کی طرف پھینک دیا۔ یہ عمل میں نے اتنی طاقت کے ساتھ انجام دیا تھا کہ زوبین حمزہ کے سینے کو چیرتا ہوا باہر نکل گیا انہوں نے مجھ پر حملہ کرنا چاہا لیکن درد کی شدت مانع ہو گئی اور وہ کچھ نہ کر سکے اور ناطاقتی کی وجہ سے زمین پر گر پڑے اور روح جسم سے پرواز کر گئی۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بعد بقول وحشی وہ ان کے سرہانے آیا اور آپ کا سینہ چاک کر کے ان کے جگر کو باہر نکالا اور ہندہ (زوجہ ابوسفیان) کے پاس لے گیا ہندہ نے اس کے ٹکڑے کئے اور ایک ٹکڑا منہ میں رکھ کر چبانا چاہا مگر ممکن نہ ہوا کیونکہ خداوند تعالیٰ نے اسے پتھر کی طرح سخت کر دیا تاکہ حضرت حمزہ کے بدن کے اجزاء اس کافرہ و نجس کے بدن میں نہ مل جائیں۔ اس واقعہ کے بعد سے اسے ہندہؔ جگر خوارہ کے نام سے پکارا جانے لگا۔

ہندہ پر خدا کی لعنت اور حمزہ بن عبدالمطلب پر خدا کی رحمت ہو :-

۵
پھر کب ملاقات ہوگی

صبح کی نماز پڑھی، لباسِ جنگ پہنا اور جب گھر سے باہر نکل رہا تھا تو اس کی بیوی اور بچوں نے اسے گھیر لیا اور پوچھا کہ اب کب آپ کا دیدار ہوگا؟ اس نے جواب دیا، "بروز قیامت!"

ذکوان بن عبد قیس، اسلام کے بہترین پہلوانوں میں گزرے ہیں، جو پیغمبر اسلامؐ سے بے حد محبت کرتے تھے اور آنحضرتؐ بھی ان کو اپنے وفادار یاروں میں شمار کرتے تھے اور فرماتے تھے:

"ذکوان اہل بہشت میں سے ہیں اور جو ایسے شخص کو دیکھنا چاہتا ہے جو بہشت کے سبزہ زاروں پر چہل قدمی کر رہا ہے، وہ ذکوان کو دیکھ لے۔"

جنگ احد کے موقع پر پیغمبر اسلامؐ نے حکم جہاد صادر کرتے ہوئے فرمایا "کل کے دن مسلمانوں پر لازم ہے کہ توحید کے قلعے کی حفاظت کے لئے سب کے سب کوہ احد کی وادی میں جمع ہو کر کفار سے جنگ کریں"

ذکوان بھی دیگر جنگ آزما و فدا کار مسلمانوں کی طرح، اس رات گھر میں اپنے اہل و عیال کے درمیان مشغول عبادت ہو گئے اور خدا کی درگاہ میں مسلمانوں کی فتح و ظفر کی دعائیں کرتے رہے یہاں تک کہ صبح صادق نمایاں ہوگئی، مدینے میں اجالا پھیلنے لگا اور رات کی تاریکی کافور ہوگئی۔ مسلمان ایک ایک کر کے دشمنوں سے جنگ کے لئے تیار ہو کر روانہ ہونے لگے اور اس کہانی کے ہیرو ذکوان نے بھی نماز صبح ادا کی اور

جنگ کا لباس پہن کر میدان جنگ کی روانگی کے لئے تیار ہو گیا

جس وقت ذکوان گھر سے باہر نکل رہے تھے تو ان کی بیوی اور بچوں نے ان کو حلقے میں لے لیا اور پوچھا کہ اب آپ کا دیدار کب ہو گا؟ تو انہوں نے جواب دیا قیامت کے دن!

اس کے بعد انہوں نے بیوی بچوں کو الوداع کہتے ہوئے کہا کہ گھر میں جا کر اسلام کی کامیابی اور پیغمبر اسلامؐ کی سلامتی کے لئے دعا کرو۔

اور پھر اپنے آہنی عزم وارادے کے ساتھ شہادت کا ارمان دل میں لے کر میدانِ جنگ کی طرف چل دیئے اور تمام مسلمانوں کے ساتھ دشمنوں پر حملے کے لئے ڈٹ گئے۔

جس وقت جنگ کی آگ بھڑک اٹھی یہ جوانمرد دشمن کے لشکر میں گھس گیا اور ایسا زبردست حملہ کیا کہ کسی کو اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی اور جو بھی آ جاتا، ذکوان اسے چشم زدن میں دو ٹکڑے کر کے جہنم کی طرف روانہ کر دیتا۔ وہ شیر نر کی طرح گرجتے اور دشمنوں کی صفوں میں گھس کر لرزہ ڈال دیتے۔ اس دار وگیر میں اسلام کے ایک سخت دشمن عبدالحکم عمرو بن اخنس نے ذکوان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور نعرہ لگاتا ہوا میدان میں آیا اور ان کے پیچھے اپنے گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے بولا:

خدا مجھ کو مارے! اگر میں ذکوان کو قتل نہ کروں، یہاں تک کہ وہ بالکل ذکوان کے عقب میں پہنچ گیا اور ان کے شانہ پر تلوار کا بھرپور وار کیا۔

مرد بہشتی ذکوان اس زخم کی تاب نہ لا سکا اور زمین پر گر پڑا کلمہ شہادتین زبان پر جاری کرتے ہوئے جان جان آفرین کے سپرد کر دی، رحمت اللہ علیہ، اور جیسا کہ اپنے بیوی اور بچوں سے کہا تھا کہ اب قیامت ہی کے روز ملاقات ہوگی، واقعی اپنے دیدار کو قیامت پر اٹھا رکھا۔ خدا کی رحمت ہو ان پر۔

جنگ احد میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علمدار لشکر

"جنگ بدر میں مصعب بن عمیرؓ پیغمبر اسلامؐ کی سواری پر ہمہ وقت نگاہ رکھتے اور آنحضرتؐ سے جدا نہ ہوتے تھے اور جنگ احد میں بھی وہ موجود تھے اور ان کے ہاتھ میں رسولِ خداؐ کا مخصوص پرچم تھا۔ اسی حالت میں وہ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے"

جب مصعب بن عمیر کے متعلقین کو پتہ چلا کہ وہ چوری چھپے اسلام قبول کر چکے ہیں اور خفیہ طور پر رسول اکرمؐ سے اسلام کی تعلیمات حاصل کر کے اس پر عمل کرتے ہیں تو ان لوگوں نے مصعب کو پکڑ کر قید کر دیا کہ شاید اس وجہ سے وہ اپنا عقیدہ بدل دیں اور اسلام کو ترک کر کے دوبارہ اپنے قدیم مذہب پر آ جائیں، مگر اب کافی دیر ہو چکی تھی کیونکہ انہوں نے کسی قیمت پر یہ بات قبول نہیں کی اور ان کے قدم میں ذرا بھی لغزش نہیں آئی اور وہ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک کمالِ خلوص و صداقت کے ساتھ اسلام و پیغمبر اسلامؐ کے تابعدار اور پیرو کار بنے رہے اور جنگ احد میں انہوں نے بہترین کارنامہ انجام دیا اور حضور اکرمؐ کے دشمنوں سے مقابلہ کر کے جام شہادت نوش فرمایا (خدا ان پر رحمتیں نازل فرمائے)

مصعب بن عمیر کون تھے؟

چونکہ پیغمبر اسلامؐ تمام چیزوں سے زیادہ اجتماعی مسائل پر توجہ فرماتے تھے اس لئے ان اہم امور کو عملی جامہ پہنانے کے لئے حتی الامکان جوانوں سے استفادہ کرتے تھے اور ملکی معاملات کے ایک شعبہ کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دیا

کرتے اور بڑے واضح انداز میں ان کی حمایت و تعریف کرتے۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی قبائل کے شیوخ اور بوڑھے لوگ حضور اکرمؐ کے اس رویہ پر تنقید کی بھی جسارت کرتے اور ان کو برا بھی لگتا۔ مگر باریک بین اور وسیع النظر پیغمبرؐ اسلامی قوانین و طرز زندگی کی مضبوطی کی خاطر ان لوگوں کو اپنے حکیمانہ دلائل اور پر تاثیر گفتگو سے مطمئن کر دیتے، اور وہی کرتے جو مناسب اور ضروری جانتے۔ پیغمبر عالی مرتبتؐ کے گرد جمع ہونے والے اور اہم ملکی امور کو انجام دینے اور آنحضرتؐ کی کھلی و پر زور حمایت کرنے والے نوجوانوں میں سے ایک تھے مصعب بن عمیر، جن کو پیغمبر اکرمؐ بڑے سے بڑا اور سخت سے سخت ذمہ داری والا کام سونپتے تھے اور وہ کبھی اس سے بحسن و خوبی عہدہ برآ ہوکر لوٹتے۔

مصعب بن عمیر شہر مکہ کے خوش جمال و خوش خصال نوجوانوں میں سے ایک تھے ان کی بہادری اور مردانگی کا عوام و خواص میں چرچا تھا اور ان کی عزت و تکریم، احترام و محبت ہر کس و ناکس کے لئے ضروری تھی اور چونکہ وہ ایک امیر ترین گھرانے کے نونہال تھے اس لئے بہترین لباس پہنتے، قیمتی عطر و خوشبو استعمال کرتے اور عیش و آرام کی زندگی گزارتے تھے۔

جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰؐ مبعوث بہ رسالت اور دین مقدس اسلام کی ترویج پر مامور ہوئے تو آپ نے جگہ جگہ اور گوشہ گوشہ میں آیات قرآنی کی تلاوت فرماکر لوگوں کو خدا اور اسلام کی دعوت دینا شروع کر دیا۔

مصعب بن عمیر لوگوں کی نظریں بچاکر آنحضرتؐ کی خدمت میں آتے اور آپؐ کے روح پرور و جاذب کلام کو کان دھر کے سنتے اور ہوتے ہوتے بات یہاں تک پہنچی کہ وہ پاک دل و نیک سیرت نوجوان پیغمبر اکرمؐ کے آسمانی کلمات کا شیفتہ

اور آپ کی روحانی گفتگو کا عاشق ہوگیا اور بار بار آنحضرتؐ کی بزم میں شرفیابی اور قرآن شریف کے پر اثر و شیریں بیان کو سننے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصعب نے سچے دل سے اسلام قبول کر لیا اور مسلمان ہونے کا شرف پا گیا۔ لیکن چونکہ ان کے اہلِ خاندان و متعلقین نے اس وقت تک دینِ اسلام قبول نہیں کیا تھا اس لئے انہوں نے اپنے اسلام کو چھپائے رکھا اور دینی فرائض کو خفیہ انجام دیتے تھے۔

آخر کار ایک روز ان لوگوں نے مصعب کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا اور جان گئے کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور مسلمان ہو چکے ہیں۔ چنانچہ مصعب کی ماں کو خبر دی گئی اور تھوڑی ہی مدت کے اندر مصعب کا اسلام لانا تمام لوگوں میں مشتہر ہوگیا اور ہر جگہ بحث و گفتگو کا موضوع بن گیا۔ لوگ مصعب کے والدین کو لعن طعن کرتے اور ان کو ڈراتے دھمکاتے اور کہتے کہ تمہارا بیٹا مصعب بھی اپنے آباواجداد کے دین کو چھوڑ کر محمدؐ کے لائے ہوئے نئے مذہب کا گرویدہ ہوگیا ہے۔

مصعب کے گھر والے اس سرزنش، طعن تشنیع سے تھک گئے اور ان باتوں سے تنگ آکر انہوں نے مصعب کو گھر میں قید کر دیا کہ شاید اس سزا کی وجہ سے وہ اپنا عقیدہ بدل دے، اسلام کو ترک کر دے اور پیغمبرِ اسلامؐ کی باتوں کو ذہن سے نکال دے۔ لیکن اس سزا سے ان پر ذرہ بھر اثر نہ ہوا اور مصعب کے عقیدے میں ضعف پیدا نہ کر سکی اور عقل و استدلال اور بیدار دل سے انہوں نے جس راہ کو منتخب کیا تھا اس سے منحرف نہ کر سکی اور ان کے نصیب میں جو سعادت آچکی تھی وہ اس سے دستبردار نہ ہوئے۔

وہ مثلِ سابق اپنے اسلام پر ثابت قدم رہے اور زندگی کے آخری لمحے تک پورے خلوص و سچائی کے ساتھ رسولِ گرامیؐ کی پیروی کرتے رہے۔

مصعب جنگ بدر میں پیغمبر اسلامؐ کے ہمرکاب تھے اور جنگ احد میں بھی میدان میں موجود تھے اور رسولِ خداؐ کا مخصوص پرچم ان کے ہاتھ میں تھا، اسی جنگ میں آپ شہید ہوئے [مصعب اسلام کے علم بردار تھے]

جس وقت رسول خداؐ کی سپہ سالاری میں اسلامی لشکر مدینہ سے ایک فرسخ کے فاصلے پر کوہ احد کے دامن میں مشرکین قریش کے مقابلے میں ڈٹ گیا تو آنحضرتؐ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور لشکر کے سرداروں کو فنونِ حرب و ضرب کی طرف متوجہ کیا اور ہر ایک کو اس کا عہدہ اور ذمہ داری تفویض کی پھر پوچھا کہ کفار کے لشکر کا پرچم کس کے ہاتھ میں ہے؟ لوگوں نے کہا کہ غالباً بنی عبدالدار کے کسی شخص کے پاس ہوگا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:

نَحْنُ اَحَقُّ بِالْوَفَاءِ مِنْهُمْ (ہم ان سے وفا کے زیادہ مستحق ہیں) اور پھر مصعب بن عمیر کو بلا کر پرچم اسلام ان کے حوالے کر دیا کیونکہ وہ بھی خاندان بنی عبدالدار سے تھے مصعب نے یہ فضیلت پا کر جوش ایمانی اور اسلام و رسول خداؐ سے بے پناہ عقیدت کے ساتھ آنحضرتؐ کے دستِ مبارک کو بوسہ دیا اور آپؐ سے علم لے لیا۔

مصعب بن عمیر دشمنوں پر بھوکے شیر کی طرح ٹوٹ پڑے۔ آپ کے ایک ہاتھ میں پرچم اسلام تھا اور دوسرے ہاتھ میں لہو پینے والی برہنہ تلوار۔ وہ پیغمبرؐ اسلام کے آگے آگے رہتے اور جب بھی آنحضرتؐ پر کوئی خطرہ آتے دیکھتے فوراً بجلی کی طرح کڑک کر اُنسے دفع کر دیتے اور اسی فکر میں رہتے کہ پیغمبرؐ کو کوئی معمولی گزند بھی نہ پہنچے۔ یہاں تک کہ پیغمبرؐ کے بدترین دشمنوں میں سے ایک کافر عبداللہ بن قمئہ لیثی نے عزم مصمم کر لیا کہ آنحضرتؐ کی شمعِ حیات کو گل کر دے اور اس ارادہ سے اس نے تلوار نیام سے نکالی اور آپ پر حملہ کر دیا۔

چونکہ علمدارِ لشکرِ اسلامؑ مصعب بن عمیر دشمنوں کو دفع کرنے کے لئے علمِ اسلام ہاتھ میں لئے ہوئے آنحضرتؐ کے آگے آگے رہتے تھے اس لئے قمیہ لیثی کے بیٹے نے پہلے مصعب کا قصد کیا اور دونوں میں تھوڑی دیر تک بڑی سخت ردوبدل ہوئی۔ ناگہاں مصعب کا داہنا ہاتھ کٹ کر گر گیا اور انہوں نے بائیں ہاتھ میں تلوار لے لی اور قرآن مجید کے آیات کی تلاوت کرتے ہوئے لیثی پر حملہ آور ہوئے۔ اس ملعون نے اس بار مصعب کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا اور اس کے بعد یہ علمدارِ اسلام پے در پے کئی زخم کھا کر علم کے ساتھ زمین پر گر پڑا اور شہید ہو گیا۔

خدا اسلام کے شہیدوں کی روح کو شاد کرے۔ آمین

۷

خدائے محمدؐ زندہ ہے

"اگر محمدؐ شہید کر دیئے گئے تو خدائے محمدؐ زندہ ہے۔ ہم دینِ خدا کی تبلیغ کے لئے جہاد کر رہے ہیں اور توحید کے مقدس قلعہ کا دفاع کر رہے ہیں"

یہ جملے سربازانِ توحید میں سے ایک جانباز کی زبان پر اس وقت جاری ہوئے جب کہ وہ میدانِ جنگ میں زخموں سے چور کوہِ احد کی تپتی ہوئی پہاڑیوں کے درمیان پڑا ہوا تھا۔

وہ پیغمبرِ اسلامؐ کے اصحابِ وفادارن میں سے ایک تھا اور آنحضرتؐ سے

بے پناہ محبت و عقیدت رکھتا تھا اور لوگوں کو آپ کی حمایت و طرفداری کی ترغیب دیتا تھا اور کہتا تھا، پیغمبرؐ کی نصرت سے ہرگز ہرگز دستبردار نہ ہونا اور ہرگز ایسا موقع نہ آنے دینا کہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچے۔ اگر تم نے اس معاملے میں سستی کی اور کم توجہ دی تو خدا تم کو معاف نہیں کرے گا اور اس کی درگاہ میں کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔

سعد بن ربیع ایمان سے لبریز اور خلوص سے بھرے ہوئے قلب کے ساتھ معرکہ احد میں وارد ہوئے اور انہوں نے مکتب توحید سے جو معنوی قوت حاصل کی تھی اس کے بل پر دشمنانِ اسلام سے لوہا منوا رہے تھے، یہاں تک کہ اسلام و پیغمبر اسلامؐ کے دفاع اور دشمنانِ اسلام سے لڑتے لڑتے اتنے زخم کھائے کہ رفتہ رفتہ طاقت نے جواب دے دیا اور تپتی زمین پر گر پڑے، پھر کتنی ہی کوشش کی کہ اٹھ کر دوبارہ جنگ کریں۔ مگر وقت نکل چکا تھا اور لڑنے کی طاقت بالکل ختم ہو چکی تھی۔ بس رسول گرامیؐ و مسلمانوں اور اسلام کے لئے خدا سے دُعا کرنا ہی ان کے لئے ممکن رہ گیا تھا۔

اسی اثنا میں الا قد قتل محمدؐ۔ لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ محمدؐ قتل ہو چکے ہیں کی آواز میدان میں بلند ہوئی اور ہمارے ہیرو سعد بن ربیع کے کانوں تک بھی یہ صدا پہنچ گئی۔ حالانکہ وہ زخموں سے گھائل اژدھے کی طرح تڑپ رہے تھے اور گرم چٹانوں پر کروٹیں بدل رہے تھے مگر پیغمبر اکرمؐ کی سلامتی اور اس خبر کے جھوٹ ہونے کی دعا کرتے جاتے تھے۔ اتنے میں ایک شخص ان کے پاس سے گزرا، انہوں نے اس سے پوچھا کہ رسول اللہؐ کے بارے میں کیا جانتے ہو؟

اس نے جواب دیا کہ کہتے ہیں کہ محمدؐ قتل کر دیئے گئے۔ سعد بن

ربیع نے کہا کہ انشاءاللہ یہ جھوٹ ہے اور اس کے بعد کہنے لگے:
اگر محمدؐ قتل کر دیئے گئے تو خدائے محمدؐ زندہ ہے اور ہم آئین الٰہی کے نشر کے لیئے جہاد کریں گے اور توحید کا دفاع کریں گے۔

پیغمبر اسلامؐ نے پہلی فرصت میں سعد بن ربیع کو یاد کیا اور فرمایا:
کون ہے جو مجھے جلد سے جلد تر سعد بن ربیع کی خبر دے۔ زید بن ثابت نے ذمہ داری سنبھالی کہ وہ سعد بن ربیع کی زندگی و موت کے بارے میں پیغمبر اسلامؐ کو صحیح خبر لا دیں گے اور وہ چل کھڑے ہوئے اور تلاش میں لگ گئے۔ زخمیوں کے درمیان انہوں نے دیکھا کہ سعد آخری سانس لے رہے ہیں اور اپنے خدا سے راز و نیاز کر رہے ہیں۔ زید بن ثابت ان کے سرہانے بیٹھ گئے اور کہنے لگے
پیغمبر اسلامؐ نے مجھے تم کو ڈھونڈنے کے لیئے بھیجا ہے۔
تمہاری کیا حالت ہے؟ میں پیغمبرؐ سے جا کر کیا بتاؤں؟ سعد بن ربیع نے آنحضرتؐ کی سلامتی کی خبر سنی تو ہنس دیئے اور بولے کہ رسول خداؐ کو میرا سلام پہنچا دو اور کہو کہ میری عمر کے چند لمحے باقی ہیں اور خدا آپ کو ایسی بہترین جزا دے جو ایک پیغمبرؐ کے لائق و سزاوار ہو، اس کے بعد فرمایا:
پیغمبر اسلامؐ کے یار و انصار کو میرا سلام پہنچا دینا اور کہنا کہ تمہارے جیتے جی اگر کبھی بھی پیغمبرؐ پر کوئی آنچ آئی تو خدا کی درگاہ میں تمہارا کوئی عذر قبول نہ ہوگا۔
زید بن ثابت کہتے ہیں کہ سعد بن ربیع کے یہ آخری کلمات تھے اور میں ابھی ان کے پہلو سے جدا بھی نہیں ہوا تھا کہ ان کی روح جنت کو پرواز کر گئی

خدایا! سعد کو شہداء کے ساتھ محشور فرما۔ آمین

۸
شہید جسے فرشتوں نے غسل دیا

"اے خدا کے رسولؐ! اجازت دیجئے کہ آج کی رات، جو میری شب عروسی ہے، مدینہ میں رہ جاؤں اور کل صبح اپنے تئیں میدانِ جنگ میں پہنچادوں"
حنظلہ نے یہ اجازت اس وقت طلب کی جبکہ رسولِ خداؐ کے حکم سے جہاد، جہاد کا نعرہ شہر مدینہ کی فضاؤں میں گونج رہا تھا۔
آئیے پہلے حنظلہ کو اچھی طرح پہچان لیں
حنظلہ ایک بیس پچیس برس کا ایک نوجوان ہے۔ اس کے باپ (ابوعام راہب) کا اسلام و پیغمبر اسلامؐ کے سخت ترین دشمنوں میں شمار ہوتا تھا یہ وہی آدمی ہے جو ہمیشہ اسلام و مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا کرتا تھا اور سازشیں کیا کرتا تھا اسی کے حکم سے ایک فریبی مسجد (ضرار) بنائی گئی تھی جو درحقیقت فساد کا گڑھ تھا وہ اسلام کے خلاف جنگ اُحد اور کئی لڑائیوں میں دشمنانِ اسلام کے ساتھ تھا اسی طرح سے حنظلہ کا خسر (عبداللہ ابی) سرگروہ منافقین تھا جس کے کالے کرتوتوں اور اعمال و افکار بد کے بارے میں کئی آیات نازل ہوئیں جو قرآن مجید میں ہیں اور ہماری بحث سے خارج ہیں، بہرحال آیۂ شریفہ: یُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ۔ خدا ناپاک والدین سے پاک اولاد وجود میں لاتا ہے۔
حنظلہ و جمیلہ یہ دو خوشبو دار پھول، مردہ زمین اور دو گندے بدبو دار خمیر یعنی ابوعامر اور عبداللہ ابی سے اٹھے اور اسلام کی آغوش میں پہنچ کر قرآنی تعلیمات سے فیضیاب

ہونے لگے۔ یہ دونوں پرجوش اور رسول خداؐ کے فدائی جوان تھے اور ہر فرصت میں رسول خداؐ کے پاس آکر تعلیمات اسلامی سے اپنے دامن کو مالا مال کرتے رہتے اور آنحضرتؐ کے مکتب اخلاق و دانش میں تربیت حاصل کرتے۔

اس روز جب کہ شہر مدینہ کی فضا، بحکم پیغمبرؐ نعرہ جہاد سے گونج رہی تھی، ان دونوں مومن و جوشیلے نوجوانوں کی شب عروسی تھی۔ اس وجہ سے حنظلہ رسول گرامیؐ کی خدمت میں آکر آپ کے سامنے بیٹھ گئے اور عرض کیا:

یا رسول اللہؐ! اجازت دیجئے کہ یہ رات جو میری شب زفاف ہے، مدینہ میں گزار لوں اور کل میں خود کو میدان جنگ میں پہنچا دوں۔

بعض مورخین کا قول ہے کہ حنظلہ کی اس درخواست پر پیغمبر اسلامؐ پر آیت قرآنی کا نزول ہوا جس کا مطلب یہ ہے۔

ایمان دار تو وہی ہیں جو خدا اور اس کے پیغمبرؐ پر ایمان لائے، وہ اپنے روزمرہ کے کاموں کے لیے پیغمبرؐ سے اجازت طلب کرتے ہیں اور جب تک اجازت حاصل نہیں کر لیتے، پیغمبرؐ سے جدا نہیں ہوتے، اے رسولؐ جو لوگ تم سے اجازت لیتے ہیں وہ تو ایسے لوگ ہیں جو خدا اور رسولؐ پر ایمان لائے ہیں۔ جب بھی کوئی مومن مخصوص کام کے لئے اجازت مانگے، تو جسے تم چاہو اجازت دو۔ (سورۂ نور ۶۲)

پیغمبرؐ نے ان کو عروسی کے مراسم کی ادائیگی کے لئے ایک رات اجازت دی اور حنظلہ نے وہ رات مدینہ میں گزاری۔ صبح جب بستر سے اٹھے تو ان کو یاد آیا کہ پیغمبر اسلامؐ اس وقت میدانِ جنگ میں دشمنوں سے برسرِ پیکار ہیں اور میں گھر میں بیٹھا ہوں۔ بس کیا تھا یہ خیال آتے ہی بغیر غسل کئے ہوئے لباس جنگی

پہن کر میدان کا ارادہ کر لیا۔ جب وہ گھر سے نکلنا چاہتے تھے تو ان کی دلہن جمیلہ نے درخواست کی کہ تھوڑی دیر ٹھہر جائیے پھر جمیلہ دوڑ کر گھر سے باہر گئی اور چار آدمیوں کو ساتھ لے کر آئی اور ان کے سامنے حنظلہ سے اقرار لیا کہ وہ گذشتہ شب اپنی زوجہ (جمیلہ) کے پاس تھا اس سے ہم بستر ہوا اور عمل جنسی انجام پایا اور اب وہ (جمیلہ) کنواری نہیں ہے۔

حنظلہ اس سے زیادہ گھر میں نہیں ٹکے اور نکل پڑے اور بڑی تیز رفتاری سے میدانِ جنگ (احد) کی طرف چل پڑے اور پھر موقع ہی نہ ملا کہ غسل جنابت بجالائے حنظلہ کے جانے کے بعد ان چاروں گواہوں نے اس کام میں دہشت و عجلت کا سبب پوچھا کہ کیوں تم نے اتنی جلدی ہم کو پکڑ بلایا اور ہمارے سامنے اپنے شوہر حنظلہ سے اقرار کرایا اور ہم کو گواہ بنایا۔

جمیلہ نے جواب دیا کہ کل رات میں نے خواب دیکھا کہ آسمان شگافتہ ہوا اور حنظلہ اڑ کر اوپر گئے اور شگاف بند ہو گیا میں سمجھ گئی کہ میرا شوہر اس جنگ میں شہید ہو جائے گا۔

حنظلہ بغیر غسل کے لشکر میں داخل ہوئے پہلی نظر جو دشمن پر ڈالی تو دیکھا کہ ابو سفیان دونوں لشکروں کے درمیان گھوڑا دوڑا رہا ہے اور لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف جوش دلا رہا ہے اور مسلمانوں کا تمسخر کر رہا ہے۔

حنظلہ سے رہا نہ گیا فوراً تلوار سونت کر اس پر حملہ کر دیا مگر حنظلہ پیادہ تھے اور وہ گھوڑے پر سوار تھا اس لئے حنظلہ کی تلوار گھوڑے کو لگی وہ گر پڑا اور اس کے ساتھ ہی ابو سفیان بھی زمین پر آ رہا اور فریاد کی کہ اے قوم قریش میری مدد کو پہنچو اور حنظلہ سے مجھے بچاؤ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمنوں کی ایک ٹولی نے آ کر

حنظلہ کو گھیر لیا اور چاروں طرف سے ان پر حملہ ہونے لگا۔ ایک دشمن نے حنظلہ کو ایسا نیزہ مارا کہ حنظلہ سنبھل نہ سکے اور زمین پر گرتے ہی شہادت پا گئے پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا:

میں نے دیکھا کہ فرشتے حنظلہ کو غسل دے رہے تھے اور اسی لئے ان کو غسیل الملائکہ کہنے لگے۔ اس واقعہ کے بعد جب بھی ان کا قبیلہ (اوس) اپنے شرف و فضائل کو گنواتا تو فخر کے طور پر کہتا:

"حنظلہ ہم میں سے تھا جسے فرشتوں نے غسل دیا"

۹

فرشتے اس پر سایہ کرتے ہیں

"اے میرے بندے تو مجھ سے جو چاہے مانگ لے میں دوں گا، اس نے عرض کیا پروردگار میں تو یہ چاہتا ہوں کہ مجھے دوبارہ زندہ کر دے تاکہ تیری راہ میں پھر مارا جاؤں۔"

یہ کون ہے جس سے خدا اس طرح بے پردہ بات کرتا ہے؟ اس مقام کا اہل کون ہے؟ اور کس میں اتنی لیاقت و صلاحیت ہے؟ خدا اس شخص کو اتنا کیوں دوست رکھتا ہے کیا اس نے اللہ کا کوئی اہم کام انجام دیا ہے؟ اور کس نے اللہ اور عظیم بندے کی گفتگو ہم تک پہنچائی اور تاریخ نے اسے اپنے سینے میں رکھ لیا کہ آنے والی نسلیں اس کی شجاعت و دلاوری کو سن کر اپنے اندر

گرمی و حرکت پیدا کر سکیں اور راہ بقاء اسلام میں ہر طرح کی فدا کاری کے لئے آمادہ رہیں۔

جواب :۔

ان تمام مبہم و پیچیدہ سوالوں کا جواب ہم کو عبداللہ بن عمرو بن حرام کی داستان پڑھنے سے ملتا ہے اور ہمیں یہ قصہ عالم بالا سے آشنا و نزدیک کرتا ہے اور ہمارے اندر شجاعت کی روح اور از خود رفتگی وا یثار کو ابھارتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس داستان کو شروع کیا جائے۔

عبداللہ بن عمرو بن حرام انصاری جناب جابر بن عبداللہ انصاری کے والد پیغمبر اسلام محمدؐ بن عبداللہ کے باوفا یاروں میں سے ایک تھے اور حضرت رسول خداؐ نے بے پناہ محبت رکھتے تھے۔ آپ کثیر العیال تھے، کئی لڑکے و لڑکیاں تھیں اس لئے ان کی گزربسر بڑی مشقت سے ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے مفلس و قلاش بلکہ بیشتر قرضدار ہی رہتے تھے۔ بقول سعدی وہ ان لوگوں میں تھے جن کی حالت پر آنسو بہانا چاہیئے۔ سعدی اپنے مشہور شعر میں کہتے ہیں:

بر احوال آنکس بباید گریست   کہ دخلش بود نوزدہ خرج بیست

اس شخص کے حال پر رونا چاہیئے کہ جس کی آمدنی ۱۹ ہو اور خرچ ۲۰۔

عبداللہ انصاری کی آمدنی بھی خرچ سے کم تھی اسی وجہ سے وہ ہمیشہ شرمندہ رہتے تھے کہ تنگ دستی و بے نیازی کی وجہ سے اسلام کی پیشروی میں کوئی مدد نہیں کر پاتے تھے اور بس ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کوئی جنگ پیش آئے اور خدا کی راہ میں اپنی جان کا نذرانہ حاضر کریں ممکن ہے کہ اس طرح وہ اسلام کی ترقی میں کوئی خدمت انجام دے سکیں اور خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ جلد ہی

ان کی یہ تمنا پوری ہو گئی ۔ چنانچہ آپ کے فرزند ارجمند جابر بن عبداللہ انصاری جو پیغمبر اکرمؐ کے جلیل القدر صحابی اور امیرالمؤمنین حضرت علیؑ و امام حسنؑ و حسینؑ کے شیدائی تھے ۔ جناب جابر کی مدح میں ائمہ طاہرینؑ کی بہت سی روایتیں ہیں جن میں سے ہر ایک میں ان کو پسندیدہ اور ان کے کردار کی تعریف کی گئی ہے ۔

جناب جابر وہ ہیں جنہوں نے تمام عمر لوگوں کو حبِ علیؑ و اہلبیت پیغمبرؐ کی دعوت دی اور آپ برابر کہتے تھے " علیٌّ خیرُ البشر فمن ابیٰ فقد کفر "
آپ امام محمدؐ باقرؑ کے زمانے تک بقید حیات تھے اور آنحضرتؐ کا سلام امام تک پہنچایا اور فرمایا اے محمدؐ باقرؑ آپ کو محمدؐ رسول خدا نے میرے ذریعے سے سلام کہلوایا ہے ۔

اب آپ عبداللہ بن عمرو بن حزام کی داستان ان کے عالی قدر فرزند جابر بن عبداللہ سے سنیں گے ، وہ فرماتے ہیں :

میرے والد بہت غریب و فقیر تھے ۔ گھر کا بھاری خرچ ان کے سر پر تھا مگر وہ ہمیشہ خدا پر توکل کرتے تھے اور رسول خداؐ کی سلامتی کی دعا کیا کرتے تھے ۔ اور اپنی مفلسی پر اس لئے کڑھتے تھے کہ میں اسلام کی کوئی خدمت نہیں کر پا رہا ہوں ، فرماتے تھے میرے پاس مال و دولت نہیں ہے جو اسلام پر نثار کروں کاش ! کوئی جنگ ہی پیش آتی تو میں اپنی جان کو اسلام پر فدا کر سکتا ۔

اور پھر ایسا ہی ہوا اور جنگ احد سر پر آگئی رسول خداؐ نے لوگوں کو مشرکوں اور بت پرستوں سے جنگ کی دعوت دی اور خطبۂ بلیغ ارشاد فرمایا اور آئین مقدس اسلام کے دفاع پر لوگوں کو آمادہ کیا ۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے خود زرہ پہنی ،

تلوار لگائی، پشت پر ڈھال رکھی اور شانہ میں کمان لٹکائی، ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے پورے رعب و جلال کے ساتھ گھر سے باہر نکلے۔ جس سے ہر مسلمان کے دل میں ہلچل مچ گئی اور ہر شخص اس کوشش میں مصروف ہوگیا کہ جس قدر جلد ممکن ہو جنگی لباس پہن کر رسول خداؐ کے ساتھ ہو جائے، کیونکہ یہ معلوم ہوگیا تھا کہ اب آنحضرتؐ دشمنوں سے جنگ کئے بغیر جسم سے لباس اتارنے والے نہیں ہیں، جابر بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں:

اس موقع پر میرے والد عبداللہ بن عمرو نے مجھے اپنے پاس بلایا اور کہا:

"بیٹے جابر، تم مدینہ میں لوگوں کے ساتھ حالات کے منتظر رہو اور دیکھو کہ بات کہاں تک پہنچتی ہے؟" اس کے بعد فرمایا:

جابر میرے لعل! اگر میرا کنبہ اتنا بڑا نہ ہوتا تو خدا کی قسم میں یہی چاہتا تھا کہ تم بھی میرے ساتھ اس جنگ میں شریک ہو اور مارے جاؤ

اے فرزند! اگر میں اس جنگ میں مارا جاؤں تو اپنی جگہ پر تیرے سوا کوئی میرے لئے عزیز تر نہ ہوگا سوائے رسول خداؐ کی جان کے۔ لہٰذا تم ہرگز رسول خداؐ کو نہ چھوڑنا اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ کرتے رہنا۔ اس کے بعد سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

عزیز جابر! میں ایک مقروض شخص ہوں میرے قرض کو ادا کرنا اور اپنی بہنوں کے ساتھ بہترین برتاؤ کرنا۔"

ان نصیحتوں و وصیتوں کے بعد انہوں نے ایک ایک فرد کو رخصت کیا اور سب کو خدا حافظ کہنے کے بعد آنسو بہاتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ لشکرِ اسلام

میں جا ملے اور رسول اکرمؐ کے پیچھے نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد رسول خداؐ اور سپاہ اسلام کے ساتھ میدان جنگ (دامن کوہ احد) کی طرف چل دیئے۔

وہ تو گئے حق سے پیوست ہو گئے اور ہماری صبح اس حالت میں ہوئی کہ ہم باپ کو کھو چکے تھے (رحمۃ اللہ علیہ)

اگر معزز قارئین تھوڑی سی توجہ اس داستان کی روح پر جو درحقیقت عبداللہ بن عمرو کی زندہ و بیدار روح ہے، مبذول کریں تو دیکھیں گے کہ رسول اللہؐ کا ایک سچا یاور و مددگار اگرچہ مقروض و مفلس تھا، باوجودیکہ اس کی لڑکیاں اور اہل و عیال اس کی سرپرستی و نگرانی کی شدید احتیاج رکھتے تھے۔ معاشی فکر و مصیبت کے درد و الم نے اسے چور چور کر رکھا تھا مگر ان تمام آفات کے ہوتے ہوئے شوق و جوش و ایمان و اخلاص کے ساتھ دین مقدس اسلام اور رسول خداؐ کو زندہ رکھنے کے لئے خدا و رسولؐ کے حکم سے محاذ جنگ کی طرف دوڑ پڑتا ہے اور حتمی شہادت کی آرزو کرتا ہے، اپنے بیٹے سے کہتا ہے کہ:

"خدا کی قسم اگر میرے بعد میری لڑکیوں کی نگرانی تیرے سوا کوئی اور کر سکتا تو میں یہی چاہتا کہ تو بھی میرے ساتھ جنگ میں شریک ہو اور میرے پہلو میں شہید ہو۔"

ہاں یہی ہوتا ہے کہ جب مؤمن اور صاحب عقیدہ لوگوں کی روح پرواز کرتی ہے تو انہیں خدا کے سوا کچھ نظر نہیں آتا خدا خدا کرتی ہوئی خدا کی طرف روانہ ہو جاتی ہیں اور ان کے گفتار و کردار سے شجاعت و مردانگی و فداکاری و از خود رفتگی ٹپکتی ہے ان کی زبانوں پر اس آیت کا ورد رہتا ہے:

"وعجلت الیک رب لترضیٰ"[1]

یعنی اے میرے پروردگار تیری طرف میں نے اس لئے عجلت کی تاکہ تو مجھ سے راضی ہو جائے (سورۂ ۲۰، آیت ۸۴)

حضرت جابر نے اپنے والد عبداللہ بن عمرو کی شہادت کے چند روز بعد فرمایا:

"میرے والد مسلمانوں میں پہلے شخص تھے جس کو مشرکین نے نشانہ بنایا اور ان کو شہید کیا"

خاتمۂ جنگ کے بعد میں ان کے سرہانے جا کر بیٹھا اور ان کے چہرے سے کپڑا ہٹا کر رونے لگا، لوگوں نے مجھے منع کیا مگر پیغمبر اسلامؐ نے مجھے گریہ سے منع نہیں کیا۔ میری پھوپھی اور عمرو کی بیٹی بھی میرے باپ اور اپنے بھائی پر رو رہی تھیں، رسول خداؐ نے ان سے فرمایا:

"چاہے تم ان پر رؤو یا نہ رؤو، فرشتوں نے اپنے پروں کا ان پر سایہ کیا ہوا ہے تاکہ ان کو زمین سے اٹھا لے جائیں۔"

جابر بن عبداللہ انصاری پھر کہتے ہیں:

میرے والد کی شہادت کے کئی روز بعد ایک بار مجھے غمگین و افسردہ پا کر آنحضرتؐ نے فرمایا:

"جابر تم کس وجہ سے غمگین و شکستہ دل ہو؟"

میں نے کہا:

"یا رسول اللہؐ! میرا باپ جنگ احد میں شہید ہو گیا اور بہت سا قرض و اہل و عیال چھوڑ گیا ہے۔"

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ:

"آیا میں تم کو ایک خوشخبری نہ سناؤں کہ تمہارے والد اور خداوند تعالیٰ

کے درمیان کیا معاملہ ہوا اور اپنے پروردگار سے ان کی ملاقات کیسی رہی ؟"

میں نے کہا ضرور فرمائیں، میں مشتاق ہوں ۔

آنحضرتؐ نے فرمایا :

خدا نے تیرے باپ سے بے پردہ یہ بات کہی :

"اے میرے بندے تو مجھ سے جو مانگے میں پورا کروں گا"

اس نے عرض کیا کہ پروردگار! میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے دوبارہ زندہ کر دے تاکہ دوسری بار تیری راہ میں مارا جاؤں ۔

۱۰
میرے دل کو اس کی طرف راغب کر دے

میں آج تک کافر تھا لیکن ایک گھنٹہ قبل پیغمبر اسلام محمدؐ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر ایمان لایا اور جان و دل سے دین اسلام کو قبول کیا، ہتھیار اٹھا لیے اور آنحضرتؐ کی مدد کو آ پہنچا . . . . . .

ہاں ہاں، کبھی کبھی انسان کو زندگی کے آخری لمحات میں سعادت کے ہُما کا سایہ نصیب ہو جاتا ہے اور وہ اس کے اوپر آکر اسے ابدی و سرمدی سعادت کی طرف اڑا لے جاتا ہے ۔ اسی لئے انسان کو عمر کے آخری پل میں بھی خدا کی طرف بازگشت سے مایوس و نا امید نہ ہونا چاہیئے اور ہمیشہ اس فکر میں رہنا چاہیئے اور خدا سے دُعا کرتے رہنا چاہیئے کہ وہ اپنی قدرت کاملہ

سے انسان کے لئے حق و حقیقت کی طرف بازگشت کے لئے راہِ راست ہدایت فرمائے تاکہ انسان ان اسباب و سعادت کے ساتھ انسانی درجات عالیہ کو پالے اور حق و حقیقت کی راہ میں چل پڑے اور خود کو اس جگہ پہنچا دے جو مخصوص انسانوں کے لئے محفوظ ہے۔

تاریخ کی کتابوں میں ایسے بہت سے انسانوں کے واقعات درج ہیں جنہوں نے زندگی کے آخری دنوں میں اپنا مقصد حاصل کر لیا جسے ان کے حالات کے جاننے کا اشتیاق ہو وہ ان مخصوص کتابوں کی ورق گردانی کرے۔ ہماری داستان بھی ان ہی لوگوں کی طرح سے ایک شخص بنام (عمرو بن ثابت) کی ہے جسے "اصیرم الاشہلی" کہتے تھے۔

یہ شخص اپنی زندگی کے آخری دن تک شرک و جہل کی تاریکی میں پڑا ہوا تھا۔ یہاں تک جنگ احد پیش آئی اور مسلمان بڑے جوش و شوق کے ساتھ کافروں سے لڑنے کے لئے شہر مدینہ سے باہر میدان جنگ کی طرف روانہ ہونے لگے ان کے جانے کے بعد اصیرم نے اپنی جگہ سوچا کہ اگر محمدؐ اور ان کے ساتھی حق کے راستے پر نہ ہوتے تو ہرگز اس ولولہ و خروش کے ساتھ عازم جنگ نہ ہوتے اور خود کو خطرے میں نہ ڈالتے، پھر اس نے ایک خاص انداز میں آسمان کی طرف رخ کر کے کہا:

"اے زمین و آسمان کے خالق! تمام مخلوقات کو تو ہی روزی دیتا ہے اور تو کسی کی روزی کا محتاج نہیں۔ اگر محمدؐ اور ان کی راہ حق و حقیقت کی ہے تو میرے دل کو اس طرف راغب کر دے اور مجھے ان کے یاروں کی صف میں شامل کر لے۔"

ان جملوں کے کہنے کے ساتھ ہی اس پر عجیب و غریب کیفیت طاری ہوگئی اور اس نے باواز بلند زبان پر کلمہ شہادتین جاری کیا۔ اس کے بعد بغیر توقف کے گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ کی طرف روانہ ہوگیا اور جب وہاں پہنچا تو کفر و اسلام کے درمیان جنگ شدت سے جاری تھی اور ہر شخص اپنے دفاع میں لگا ہوا تھا۔

اصیرم اس سے پہلے کہ خدمت رسول خداؐ میں پہنچ کر اسلام کا اظہار کرے دشمنوں کی صف پر ٹوٹ پڑا اور شیر نر کی طرح ان پر حملہ آور ہوا کئی آدمیوں کو زمین پر گرایا اور قتل کیا اور اتنے زخم کھائے کہ گھوڑے پر بیٹھ نہ سکا اور زمین پر گر پڑا۔

تھوڑی دیر کے بعد جب جنگ کے شعلے خاموش ہوئے اور مسلمان اپنے اپنے شہیدوں اور زخمیوں کو تلاش کرنے لگے تو اچانک ان کی نظر اصیرم پر پڑی جو زمین پر پڑا ہوا آخری سانس لے رہا تھا۔

مسلمان اس کے سرہانے کھڑے ہو گئے، کہنے لگے :

ارے اصیرم تم تو کافر تھے، یہاں کیسے آ گئے۔ ؟

اس تازہ مسلمان نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور کہا ہاں تم صحیح کہتے ہو، میں آج تک کافر تھا، لیکن چند گھنٹے قبل پیغمبر اسلامؐ محمد مصطفےٰ پر ایمان نہ لے آیا اور جان و دل سے دین اسلام قبول کیا اور ہتھیار لے کر آنحضرتؐ کی مدد کو آ پہنچا۔

اصیرم اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا اور اس کی روح پرواز کر گئی جس وقت اصیرم کا قصہ رسول خداؐ سے بیان کیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا :

"اصیرم اہل بہشت میں سے ہے"

اس واقعہ کے بعد لوگ اکثر ایک دوسرے سے پوچھتے تھے، کون ہے وہ جس

نے نہ نماز پڑھی نہ روزہ رکھا مگر بہشت میں جگہ بنالی ؟ ان کا اشارہ اصیرم الاشہلی کی طرف ہوتا جو اس طرح سے ایمان لایا اور اس طرح شہید ہو گیا۔ (رہ)

۱۱ میرا مددگار خدا ہے

" کون ہے جو اپنی جان خطرے میں ڈال کر خانۂ کعبہ کے گرد بیٹھے ہوئے سرداران قریش کے مجمع میں بلند آواز سے قرآن پڑھے"

مگر میں اس پر تیار ہوں۔

آغاز اسلام میں ایک طرف تو رسول خدا اور ان کے حقیقی یاروں کے وسیلے سے توحید پرستی پھیلی اور دور و نزدیک سے حق کے شیدائی اسلام کی سعادت کے پرچم تلے پناہ لے کر خنکی حاصل کرنے لگے تو دوسری طرف مشرکین کو ان حالات پر سخت غصہ آیا اور وہ مسلمانوں کے مقابل اٹھ کھڑے ہوئے اور حیلہ و مکر و اذیت و شکنجہ کے ذریعے لوگوں کو اسلام سے دور رکھنے کی انتہائی کوشش کرتے تھے اور ان کو سخت سے سخت دھمکی دیتے تھے اور اس کے لئے ایک سے ایک بے رحمانہ کارروائیاں کرتے تھے۔

جس کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں درج ہے، ان کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ قرآن کے دلنشین کلمات کو نہ خود سنتے تھے نہ دوسروں کو سننے دیتے تھے چنانچہ اس بات کا ذکر خود قرآن مجید میں موجود ہے۔

" کافروں کا گروہ کہتا ہے کہ اس قرآن کو نہ سنو اور وہ قرائت قرآن کے

وقت بیہودہ گفتگو اور چیخ و پکار شروع کر دیتا ہے تاکہ اس طرح وہ غلبہ پا سکے ۔" (سورۂ فصلت آیت ۲۵)

ہاں قرآن کا سننا ان کے لئے سخت عذاب تھا۔ انہوں نے اس کے سننے اور پڑھنے کو حرام و ممنوع کر رکھا تھا۔ طفیل ابن عمرو کا قصّہ اس کے ثبوت کے لئے کافی ہے جسے یہاں نقل کرنا بہت مناسب ہے ۔

طفیل بن عمرو جو ایک دانشمند و شیریں مقال شاعر تھا، اپنے قبیلہ میں بہت اثر رکھتا تھا اور اسے قبیلے والے دوست رکھتے تھے اور اس کی بات مانتے تھے۔ اس نے سن رکھا تھا کہ رسول گرامی محمدؐ بن عبداللہ خدا کی طرف سے پیغمبری پر مبعوث ہوئے ہیں اور لوگوں کو توحید کی دعوت دے رہے ہیں اس لئے اس نے ارادہ کیا کہ مکہ پہنچ کر رسول خداؐ سے ملاقات کرے ۔

جس وقت سردارانِ قریش کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ بہت پریشان ہوئے اور جیسے ہی طفیل بن عمرو شہر مکہ میں آیا اُسے گھیر لیا اور مکاری کے ساتھ رونا دھونا اور شکوہ و شکایت شروع کر دی اور کہنے لگے :

اے طفیل ہم نے سنا ہے کہ تو محمدؐ سے ملنے کی خاطر اس شہر میں آیا ہے اور چاہتا ہے کہ اُس کے دین کی معلومات حاصل کرے۔ اس کے بعد رسول خداؐ کی طرف، جو کعبہ کے پاس نماز میں مشغول تھے اشارہ کرتے ہوئے کہا :

"دیکھ رہے ہو جو شخص کعبہ کے نزدیک نماز پڑھ رہا ہے، وہی محمدؐ ہے اُس نے نیا دین لاکر ہمارے درمیان افتراق و انتشار پیدا کر دیا ہے، ہمیں خوف ہے کہ وہ تم کو اپنے جادو سے کھینچ لے گا اور اس کے نتیجے میں تمہارے قبیلے کے بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں

گے۔ بہتر یہی ہے کہ تم اس سے ملے بغیر واپس لوٹ جاؤ اور نہ اس سے بات کرو نہ اس کی کچھ سنو۔"

طفیل بن عمر کہتا ہے کہ ان لوگوں کی باتوں نے مجھے اتنا متاثر کیا کہ حضرت محمدؐ کی سحر بیانی کی تاثیر کے خوف سے میں نے طے کر لیا کہ نہ ان سے بات کروں گا اور نہ ہی ان کی بات سنوں گا۔ اور ان کے بیان کے جادو سے بچنے کے لئے میں نے طواف کعبہ کے دوران اپنے کانوں میں رُوئی ٹھونس لی تاکہ ایسا نہ ہو کہ قرآن کا زمزمہ میرے کانوں تک پہنچ جائے۔

میں نے کانوں میں رُوئی ٹھونس رکھی تھی اور طواف میں مشغول تھا اور ذرا بھی مائل نہ تھا کہ محمدؐ سے کچھ کہوں یا ان کی بات سنوں۔ لیکن معلوم نہیں کس طرح میرے کانوں میں ایک شیریں و نرم کلام پہنچ گیا اور اس کلام کے سننے سے، جو کہ کلام خدا تھا، میں نے بے حد لذت و سکون محسوس کیا اور اپنے دل میں کہا کہ تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے، اے طفیل تو خود ایک سخن گو اور عاقل انسان ہے، اور ادیب ہونے کا دعویدار ہے تو پھر اس شخص کا کلام سننے میں کیا چیز مانع ہے۔ اگر وہ اچھا ہو گا تو قبول کر لینا اور ناپسندیدہ ہو گا تو رد کر دینا۔

طفیل بن عمر آگے کہتا ہے کہ میں نے چاہا کہ لوگوں کے سامنے آنحضرتؐ سے ملاقات نہ کروں اور تھوڑی دیر ٹھہر گیا تا آنکہ رسول خداؐ گھر کی طرف روانہ ہو گئے اور جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئے، میں اجازت لے کر گھر کے اندر پہنچ گیا اور اپنے تمام حالات ان سے بیان کئے اور کہا کہ سردارانِ قریش آپ کے بارے میں اس طرح کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے میں نے بھی ارادہ کیا تھا کہ آپ سے ملاقات نہ کروں مگر آپ کی تلاوت قرآن کی مٹھاس نے مجھے آپ

کی طرف کھینچ لیا اور اے خدا کے رسولؐ اب میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے سامنے اپنے دین کو تفصیل کے ساتھ پیش کریں اور تھوڑا سا قرآن بھی پڑھ کر سنائیں۔

رسول خداؐ نے اپنا پیغام اُسے سنایا اور کلام اللہ مجید کی چند آیات کی تلاوت فرمائی۔ اس موقع پر ایک مناسب شعر نقل کرنا بہتر ہوگا۔

چہ خوش است صوتِ قرآن ز تو رہنما شنیدن'
بہ رخت و نگاہ کردن ، سخن خدا شنیدن"!

آپؐ ایسے رہنما سے قرآنی آواز کا سننا کیا ہی اچھا ہے اور آپ کے چہرۂ مبارک پر نگاہ کرنا اور اللہ کا کلام سننا۔

طفیل بن عمر کہتا ہے کہ خدا کی قسم اس دن تک میں نے نہ ایسا بہترین کلام سنا تھا نہ آپ کے قانون دینِ اسلام جیسا معتدل و متوازن قانون ہی دیکھا تھا[1] اس کے بعد طفیل بن عمرو نے آنحضرتؐ سے عرض کیا:

"یا رسول اللہؐ میں اپنے قبیلہ کا بااثر آدمی ہوں اور وطن جاکر آپ کے دین کی نشر و اشاعت کروں گا۔"

طفیل بن عمر کی داستان ختم ہوئی۔

اس واقعہ سے اس زمانے کے دباؤ اور گھٹن کا حال معلوم ہوتا ہے جس میں مسلمانوں کی زندگی گزر رہی تھی اور اسلام کے کٹر دشمن کفّار قریش ہر مکرو فریب اور سیاست بازی سے کام لے کر نہ تو اسلام قبول کرنے پر تیار تھے نہ قرأتِ قرآن سننے پر۔ ساتھ ہی

---

[1] فلا واللہ ما سمعت قولاً قطّ احسن منہ ولا امراً اعدل منہ

دوسروں کو بھی قرآن سننے سے روکتے تھے۔ان سخت حالات میں سوائے ہماری داستان کے ہیرو (عبداللہ بن مسعود) کے کون تھا جو ان لوگوں کے درمیان اپنے بلند وشیریں سخن کے ساتھ سورۂ رحمٰن کی تلاوت کرتا اور ان کا غذی شیروں کو مسل کر رکھ دیتا۔

ہاں عبداللہ بن مسعود جو صدر اسلام کے پرجوش جوانوں اور قاریان قرآن میں سے ایک تھے۔اور کلام الٰہی و حدیث پیغمبرؐ کے اس قدر شیدائی تھے کہ ایک دن آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے،" اے خدا کے رسولؐ ! یہ آیات قرآنی جو آپ بیان کرتے اور پڑھتے ہیں،اس میں سے کچھ مجھے بھی تعلیم کر دیجئے۔آنحضرتؐ نے اس جوان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا : "انّک لغلام معلم" یعنی تم ایک تعلیم یافتہ نوجوان ہو۔

عبداللہ بن مسعودؓ نے آنحضرتؐ سے ستر سورے سیکھے اور ان کو بڑی احتیاط و تفکر کے ساتھ پڑھتے اور لوگوں کو درس دیتے تھے۔ایک دن عبداللہ بن مسعود مسجد الحرام کے ایک گوشے میں (یعنی صحن کعبہ کے قریب) چند نومسلم افراد کے ساتھ بیٹھے تھے اور بات توحید اور اس کے پھیلانے کے بارے میں چل رہی تھی۔آخر میں انہوں نے کہا کہ سرداران قریش کسی قیمت پر آیات قرآنی سننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

بہت مناسب ہوگا اگر کوئی دلیر و بے باک جوان ہم میں سے اٹھ کھڑا ہو اور ان لوگوں کی اس جماعت کے درمیان جو کعبہ کے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔بلند آواز سے قرآن کی آیات کی تلاوت کرے۔عبداللہ بن مسعود نے اس کام کے لئے خود کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں اسے عملی جامہ پہناؤں گا اور ان

کے سامنے قرآن کی آیات پڑھوں گا۔ لیکن دوسرے لوگوں نے عبداللہ بن مسعود سے کہا کہ تمہارا یہ عمل مناسب نہ ہوگا کیونکہ یہاں تمہارا قبیلہ موجود نہیں ہے۔ اگر دشمنوں کی نیت میں فتور آیا اور مشرکین نے تمہیں قتل کر دینا چاہا تو تمہاری حمایت و دفاع کے لیئے کوئی آگے نہ آئے گا اور حتماً تمہاری جان خطرے میں پڑ جائے گی۔

عبداللہ بن مسعود نے ان کے جواب میں کہا، ان باتوں کو چھوڑو میں تو یہ کام کرنے ہی والا ہوں کہ میرا مددگار خدا موجود ہے۔ عبداللہ بن مسعود اس بات چیت کے بعد جبکہ تمام سرداران قریش کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے اپنی اپنی ہانک رہے تھے ان کے درمیان جا پہنچے اور ان کے سامنے ہی مقام ابراہیم پر کعبہ کے نزدیک اپنی ملیح و باٹ دار آواز کے ساتھ سورۂ رحمٰن کی تلاوت شروع کر دی اور ان آیات کی قرأت کی:

"بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ"

اسلام کے ایک پرجوش جوان عبداللہ بن مسعود کے دہن سے نکلے ہوئے سورۂ شریفہ کے فصیح و بلیغ جملوں نے سرداران قریش میں عجیب و غریب ہراس پیدا کر دیا کیونکہ یہ بات ان کے لیئے سب سے زیادہ ناگوار تھی۔

انہوں نے جب عبداللہ بن مسعود کی شجاعت و بے خوفی پر نظر کی اور اس ندائے آسمانی کے ردعمل سے بچنے کے لیئے جو ایک یکا و تنہا بے یار و مددگار جوشیلے جوان کے وسیلے سے ان کے کانوں تک پہنچی تھی۔ یکبارگی اٹھ کھڑے ہوئے اور ابھی اس بلند ہمت جوان نے سورۂ رحمٰن کی چند آیات بھی ختم نہیں کی تھیں کہ انہوں نے عبداللہ بن مسعود کو پھٹکارتے ہوئے کہا، کیا کہہ رہا ہے؟ اے ام معبد کے بیٹے اور پھر سب ٹوٹ پڑے اور اتنا مارا کہ ان

کے سر اور جسم سے خون جاری ہو گیا مگر وہ جوان اسی حالت میں قرآن کی تلاوت کرتا رہا اور کسی طرح ان سے نجات حاصل کر کے اسی رقت انگیز حالت میں اپنے تازہ مسلمان دوستوں کے پاس آگیا۔

مسلمانوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا، اس کے زخم کی مرہم پٹی کی اور کہا: ہم کو تو پہلے ہی اس بات کا خوف تھا اسی لئے ہم نے کہا بھی تھا کہ تمہارا ایسا کرنا مناسب نہیں، لیکن عبداللہ بن مسعود نے جواب دیا:

"یہ جو تکلیف میں اسلام کی راہ میں اٹھا رہا ہوں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اگر چاہتے ہو تو کل پھر میں اسی جگہ یہ کام کروں یعنی دوبارہ قرآن کی قرارت کروں۔"

مسلمانوں نے ان کو شاباش دیتے ہوئے کہا نہیں بھائی یہی کافی ہے۔ ہم چاہتے تھے کہ وہ لوگ جو نہیں سنا چاہتے تھے اُسے ان کے کانوں میں پہنچا دیں۔ اور تم نے یہ کام کر دیا خدا تم کو اس کام کے بدلے میں بہترین جزا عنایت کرے

۱۲

دو ہاتھوں کے بجائے دو پَر

شہادت کے بعد اس کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے گئے تھے تو خدا نے اس کے عوض اسے دو پَر عطا فرمائے کہ اب وہ فرشتوں کے ساتھ جنت میں

اڑتا پھرتا ہے۔

یہ کون تھا ایک نڈر مجاہد جس نے اپنے عقیدے کے اثبات اور شوقِ شہادت کی خاطر میدان جنگ میں اپنے گھوڑے کی کونچیں قلم کر دیں اور پیادہ ہو گیا تاکہ دشمن کو سمجھا سکے کہ اس کا تعلق مادیت کی دنیا سے نہیں ہے اس طرح اس نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں دین کی حمایت کی۔

وہ جعفر ابن ابی طالب تھے۔ پیغمبر اسلامؐ کے چچا کے بیٹے اور علی ابن ابی طالب کے بھائی آپ ہی وہ تھے جنہوں نے حکم رسولؐ سے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی اور وہاں پر ایسی تقاریر اور کارہائے نمایاں انجام دیئے جو سوفی صد اسلام کے مفاد اور پیغمبرؐ کے مقصد کو آگے بڑھانے پر تمام ہوا۔ اسی وجہ سے پیغمبرؐ آپ کو بے حد چاہتے تھے اور آپ کے بارے میں ایسی باتیں فرماتے تھے جن میں سے کچھ کا ہم یہاں ذکر کریں گے۔

"جعفر کی چند صفات کو خدا پسند کرتا ہے"

عظیم شیعہ عالم شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے کتاب خصال میں امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ خداوند عالم نے پیغمبر اسلامؐ کو وحی کی کہ میں جعفر ابن ابی طالب کی چار صفات کو پسند کرتا ہوں۔ پیغمبرؐ نے جعفر کو بلایا اور ان چار بہترین صفات کو جاننا چاہا۔ جعفر نے کہا یا رسول اللہؐ اگر خدائے تعالیٰ نے آپ کو اس کی اطلاع نہ دی ہوتی اور آپ اس کی تفتیش نہ کرتے تو میں کبھی نہ بتاتا مگر اب بتاتا ہوں میری وہ چار صفتیں یہ ہیں:

ا۔ کبھی بھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا کیونکہ میں جانتا تھا کہ اگر شراب پیوں گا تو میری عقل زائل ہو جائے گی۔

۲۔ کبھی بھی جھوٹ نہیں بولا کیونکہ جھوٹ انسان کی مرّوت و مردانگی کو گھٹا دیتا ہے
۳۔ کبھی زنا نہیں کیا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اگر میں کسی دوسرے کی عورت سے زنا کروں گا تو دوسرا میری عورت سے زنا کرے گا۔
۴۔ کبھی بت پرستی نہیں کی کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ان سے کوئی نفع و ضرر مربوط نہیں ہے یعنی یہ بت نہ مجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ ان سے مجھے کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے۔
پیغمبرؐ نے جعفر کی تعریف کی اور آپ کو انعام دیا پھر پیغمبرؐ نے فرمایا:
"اے جعفر! تم خلقت و اخلاق دونوں میں میری شبیہ ہو۔"
اور آپ کی تعریف میں ایک طولانی تقریر فرمائی جس کے نقل کرنے سے داستان طویل ہو جائے گی اس لئے فعلاً اسے نظر انداز کرنا پڑ رہا ہے۔
جس وقت لوگوں نے جعفر بن ابی طالب کی حبشہ سے واپسی کی اطلاع پیغمبرؐ کو دی، آنحضرتؐ اتنا خوش ہوئے کہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے دونوں ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے اور پیغمبرؐ نے جعفر کی پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا:
"آیا تم کو عطیہ نہ دوں اور تم پر بخشش نہ کروں"
جعفر نے عرض کی، یا رسول اللہؐ کیوں نہیں؟ دوسرے لوگ یہ سمجھے کہ پیغمبر اسلامؐ جعفر کو زر و جواہر دینا چاہتے ہیں۔ اس لئے سب نے ادھر نظریں لگا دیں اور گردن اٹھا اٹھا کے دیکھنے لگے مگر معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلامؐ نے جعفر کو نماز کی تعلیم دی، جو بعد میں نماز جعفر طیار کے نام سے مشہور ہوئی۔
آنحضرتؐ نے اس نماز کے ثواب و فضیلت کے تعلق سے جعفر سے کہا:
اگر چاہو تو روز پڑھو، ورنہ دو دن میں ایک بار نہیں تو ہفتہ میں ایک بار یا ایک مہینہ

یا ایک سال میں ایسے ایک بار پڑھو کر خدا ان دو نمازوں کے درمیان ہونے والے تمام گناہوں کو معاف کرتا اور بخش دیتا ہے۔

دوسری حدیث میں نقل ہوا ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا:

"اے جعفر! کیا تم کو ایسی چیز دوں جسے اگر تم روز بجالاؤ تو وہ تمام دنیا کی چیزوں سے بہتر ثابت ہو۔"

اسی طرح تمام خاندان پیغمبرؐ اس وجہ سے افتخار کرتے رہے کہ جعفر ابن ابی طالب ان کے خاندان سے تھے۔

چنانچہ ہمارے چوتھے امام سید الساجدین زین العابدین علی ابن الحسینؑ نے دربار شام والے اپنے مشہور خطبے میں بھی اس طرف اشارہ فرمایا اور کہا ہے کہ "جعفر طیّار ہمارے ہی خاندان کے تھے"

اب جعفر طیار بن ابی طالب کی جنگ کا حال سنیئے:

ہجرت کے آٹھویں برس جنگ موتہ پیش آئی اور آنحضرتؐ کے فرمان کے مطابق تین ہزار جنگی جوانوں نے جعفر بن ابی طالب، زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ کی سرداری میں رومیوں سے جنگ کے لئے سرزمین اردن کا قصد کیا۔ جب انہوں نے مدینہ سے نکلنا چاہا تو پیغمبر اکرمؐ نے ان کو جمع کر کے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور بہت سی باتیں سمجھائیں۔ آپ کا یہ خطبہ تاریخ کی مختلف کتابوں میں موجود ہے ہم یہاں اس کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خدا کے نام پر جنگ کے لئے روانہ ہو جاؤ اور دشمنانِ خدا، دشمنانِ اسلام سے کارزار کرو۔ تقویٰ کو پیشہ بنالو جو لوگ کلیسا و دیگر عبادت گاہوں میں بیٹھے

ہوئے سب سے الگ تھلگ عبادت میں مشغول ہوں ان سے غرض نہ رکھو نہ ان کو چھیڑو۔ البتہ دوسرے لوگ جن کے دل و دماغ میں شیطان نے گھر کر لیا ہے وہ تمہارے مقابلے پر آئیں گے تو ان کو برابر سبق سکھاؤ اور اپنی تلواروں سے ان کے سر قلم کر ڈالنا۔ خیال رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی عورت یا بچے کو قتل کر ڈالو اور از کار رفتہ بوڑھوں کے قتل سے بھی درگزر کرنا۔ ہرگز کسی درخت کو نہ کاٹنا نہ کسی گھر کو منہدم کرنا۔ اس کے بعد حضرتؐ نے "پرچم" کو جعفر بن ابی طالب کے ہاتھ میں دیا اور ان کو سپہ سالار بنایا اور تین ہزاری لشکر کی طرف رخ کر کے فرمایا:

اگر جعفر بن ابی طالب پر کوئی حادثہ وارد ہو تو تمہارے سردار زید بن حارثہ ہوں گے اور اگر ان پر بھی کوئی آسیب و مصیبت آ جائے تو پھر عبداللہ رواحہ کو اپنا امیر بنایا۔ ان کے بعد پھر جسے چاہو سردار بنا سکتے ہو۔

ان نصیحتوں کے بعد پیغمبر اسلامؐ نے دعا فرمائی اور لشکر کی روانگی کا حکم جاری فرمایا آنحضرتؐ اور مسلمانوں کی ایک جماعت نے ایک مخصوص مقام تک جسے ثنیۃ الوداع کہتے تھے لشکر کی مشایعت کی اور وہاں سب نے ایک زبان ہو کر کہا:

" دفع اللہ عنکم وردکم سالمین غانمین " یعنی خدا تمہاری ہر بلا کو دور کرے تم بمنشائے پروردگار کامیابی کے ساتھ صحیح و سالم واپس آؤ۔

تین ہزار کا یہ لشکر چل پڑا اور تمام طولانی راستے کو جو ڈیڑھ سو فرسخ سے زیادہ ہی تھا عشق و جہاد و ایمان بخدا و شوق شہادت کی باتوں میں کاٹ دیا۔ وہ لوگ شجاعت و بہادری کی باتیں کرتے، جنگ میں یہ کریں گے وہ کریں گے، اس طرح کے اشعار پڑھتے ہوئے چلتے رہے۔ ایمان سے لبریز دل اور

خاص شوق وشغف کے ساتھ "اللہ اکبر" کا نعرہ لگاتے ہوئے ملک اردن میں ارض موتہ تک پہنچے جہاں رومیوں کا ہزاروں کا لشکر مسلمانوں سے جنگ کے لئے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ دونوں لشکر آمنے سامنے ٹھہر گئے اور سردار لشکر کی ہدایت پر جنگ و دفاع کی تیاری میں مصروف و مشغول ہو گئے۔ "جنگ چھڑ گئی" مسلمانوں میں پہلا شخص جو میدان میں اترا وہ جعفر بن ابی طالب تھے۔ انہوں نے پیغمبر اسلامؐ کے دئیے ہوئے پرچم کو ہاتھ میں لیا اور لشکرِ کفر کے مقابل آ کھڑے ہوئے پھر رجز کے چند اشعار اس مطلب کے پڑھے:

آج میں کتنا خوش ہوں کہ بہشت موعود اب نزدیک ہے۔ وہ پاکیزہ بہشت جہاں سرد مشروبات ہیں اور اس کے مقابل روم کی بربادی بھی نزدیک ہے۔ وہ قوم جو توحید کی جگہ کفر کو اختیار کئے ہوئے ہے اس کا م سے تعلق قطع ہو چکا ہے میں پختہ ارادہ رکھتا ہوں کہ جب ان کا سامنا ہوگا۔ ان پر اپنی تلوار کا وار کروں گا۔

دشمن پر یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ہم دنیا کے لئے جنگ نہیں کر رہے ہیں اور ہمارا ہدف و نشانہ اسلام کا آئین مقدس اور پرچم اسلام کو بلند کرنا ہے۔ جعفر بن ابی طالب گھوڑے سے کود کر زمین پر آ گئے اور اپنے سرخ رنگ کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ کر دنیائے مادی سے اپنے آخری تعلق کو بھی توڑ لیا پھر شیر غراں کی طرح تلوار سونت کر دشمن کی صفوں پر ٹوٹ پڑے اور جدھر بھی رخ کرتے تھے دو چار کو مار گراتے تھے۔

جب دشمنوں نے یہ دیکھا کہ ایک ایک سے اس بہادر کا مقابلہ نہیں ہو سکتا اور اس طرح توحید کے اس شیر کو زیر کرنا ممکن نہیں تو پھر ایک بڑی جماعت نے آہستہ آہستہ جعفر کے گرد گھیرا ڈال دیا اور پھر ان پر نیزہ و شمشیر کی بارش شروع کر دی۔ اسی حالت

جعفر بن ابی طالب کا داہنا ہاتھ کٹ کر گر گیا لیکن انہوں نے پرچم اسلام کو زمین پر گرنے نہ دیا بلکہ بائیں ہاتھ میں لے لیا اور لڑتے بھی رہے یہاں تک کہ دشمنوں نے اُن کا بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا، لیکن اُنہوں نے پرچم اسلام کو سینے سے چمٹا کر نعرہ مارا اور مسلمانوں کو جدال تیز کرنے کی ترغیب دینے لگے۔

ایک کافر نے جب یہ ماجرا دیکھا تو سخت خشم آگیں ہوا اور اسی حالت میں اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا جعفر کے پاس آ پہنچا اور ان پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ پھر وہ سنبھل نہ سکے۔ آپ کے خون سے آلودہ پرچم زمین پر گر پڑا اور آپ خود جام شہادت نوش کر کے رحمت خدا سے پیوست ہو گئے۔

بہت سی روایتوں میں نقل ہوا ہے کہ جس دن جنگ موتہ چل رہی تھی مدینہ میں رسول خداؐ منبر پر تشریف فرما تھے۔ اور جو کچھ میدان جنگ میں ہو رہا تھا، آنحضرتؐ ایک ایک خبر مسلمانوں کو پہنچا رہے تھے۔ جس وقت شہادت جعفر بن ابی طالب کا مرحلہ آیا تو فرمایا:

"شہادت سے قبل ان کے ہاتھ کاٹ ڈالے گئے خدا نے ان دونوں کے عوض ان کو دو پر عنایت کئے جس سے وہ بہشت میں فرشتوں کے ہمراہ جہاں چاہے پھرتے رہیں۔ اسی مناسبت سے بعد میں ان کو جعفر طیار کہا جانے لگا۔"[1]

---

[1] سیرۃ ابن ہشام، ج ۲، ص ۳۷۸

۱۳

آرزوئے شہادت

ہم خدا و اسلام کی راہ میں جنگ کر رہے ہیں۔ وہ اسلام جس نے ہم کو معزز و با مرتبہ بنایا ہے اگر فتحیاب ہوئے تو ہمیں افتخار حاصل ہوگا اور اگر جام شہادت نصیب ہوا تو وہ ہماری عین آرزو ہوگی۔

یہ پرجوش کلمات موتہ کی خونین جنگ میں عبداللہ بن رواحہ کی زبان پر جاری ہوئے جو رسول خدا[ص] کے حکم سے اس جنگ میں شرکت کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔

جیسا کہ جعفر بن ابی طالب کے حالات میں گزرا کہ جس وقت رسول خدا[ص] نے تین ہزار جنگجو جوانوں کو جنگ کے لئے بھیجا تو ان کے سامنے ایک خطبہ پڑھا اور جنگ کے بارے میں ان کو بہت تاکید و ہدایت کی اور ایک خاص مقام تک لشکر کو پہنچانے گئے اور اسے الوداع کہا۔ اس وقت دیکھا گیا کہ عبداللہ بن رواحہ جو لشکر کے سرداروں میں سے ایک تھے، رونے لگے، بعضوں نے سوچا کہ یہ بیچارے مال و اسباب دنیا یا بال بچوں سے دوری کی وجہ سے رو رہے ہیں اور ان سے رہا نہ گیا اس لئے رونے کا سبب پوچھ بیٹھے عبداللہ بن رواحہ نے جواب دیا:

"خدا کی قسم میں دنیا اور اسباب دنیا کے لئے نہیں رو رہا بلکہ میں نے ایک بار رسول خدا[ص] کو کہتے سنا ہے کہ آپ دوزخ

کے بارے میں یہ آیت تلاوت فرما رہے ہیں . . . . "

"وان منکم الا واردھا کان علی ربک حتما مقضیا "

تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو وارد[1] دوزخ نہ ہو، اور یہ تیرے رب کا اٹل فیصلہ اور حکم ہے۔

اس آیت کو پڑھنے کے بعد عبداللہ بن رواحہ نے کہا :

"مجھے نہیں معلوم کہ دوزخ میں داخل ہونے کے بعد کس طرح باہر آؤں گا۔ میں اسی لیے رو رہا ہوں "

اب ہم یہاں اس مؤمن سردار لشکر کے ایمان حقیقی کی کہانی سناتے ہیں کہ کس طرح ایمان سے سرشار دل کے ساتھ رسول خدا کے حکم سے میدان جنگ کی طرف چل پڑا جب الوداع کہنے کے لئے آئے ہوئے لوگ ان سے کہتے تھے کہ انشاء اللہ تم سلامتی کے ساتھ مال غنیمت لے کر واپس آؤ گے تو وہ جواب میں یہ اشعار پڑھتے تھے جس کا ترجمہ یوں ہے :

"لیکن میں تو خدا سے مغفرت کا طالب ہوں اور ایسی تلواروں کا جس کے کاٹنے سے خون کی دھاریں زمین پر بہنے لگیں اور جب دوسرے مجاہدین میرے جنازے کو خون آلودہ دیکھیں تو میری تعریف کریں اور میرے حق میں دعائے خیر کریں۔ "

ادھر یہ مجاہد پورے شور و شغف اور حقیقی معنوں میں ایمان کامل کے ساتھ اپنے مقتل کی طرف جست لگاتا ہے اور دوسری جانب چونکہ روم کے لشکر کی تعداد

[1]: بروایت امام جعفر صادق وارد ہونے کا مطلب کنارے تک آنا ہے اس میں داخل ہونا نہیں۔ مترجم

مسلمانوں کے لشکر سے ہزار گنا زیادہ تھی۔ اس لئے اس کا سامنا کرنے سے پہلے مسلمان آپس میں مشورہ کرتے ہیں کہ ان سے جنگ کی جائے یا پلٹ کر پیغمبر اکرمؐ کو حالت سے مطلع کیا جائے اور پھر وہ جو حکم دیں اس پر عمل کیا جائے چنانچہ ہر ایک نے اپنی اپنی رائے پیش کی اور جب اس دلیر اور شجاع مرد عبداللہ بن رواحہ کی باری آئی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور بڑا ہی آتش بار خطبہ دیتے ہوئے بولا لوگو! خدا کی قسم تم نے ایک خاص مقصد کے لئے یہاں تک آنے کی زحمت اٹھائی ہے کیا وہ تمہیں عزیز و محبوب نہیں تم نے مدینہ کو شہادت کے لئے چھوڑا ہے۔ میدان جنگ میں ہمارا انحصار لشکر کی تعداد کی کمی بیشی پر نہیں بلکہ ہم راہ خدا و اسلام میں اس لشکر سے آمادہ جنگ ہیں، وہ اسلام جس نے ہمیں عزت بخشی ہے اس کے لئے ہمیں لڑنا ہے اگر کامیاب ہو گئے تو ہمارے لئے باعث افتخار ہوگا اور اگر شہید ہو گئے تو گویا ہماری آرزوئے حقیقی حاصل ہو گئی۔

عبداللہ بن رواحہ کے اس شعلہ بار خطبہ نے دوسروں کی ہمت کو اتنا بلند کر دیا کہ سب نے مصمم عزم کر لیا اور قسم کھائی کہ حکم پیغمبرؐ کی تعمیل کریں گے اور ایسی جنگ کریں گے جو معین و مقرر ہو چکی ہے۔

(جنگ چھڑ جاتی ہے)

مسلمان پوری حرارت و گرمی کے ساتھ اس اجنبی زمین پر جنگ کرتے ہیں اور اللہ اکبر لا الہ الا اللہ کے نعروں سے زمین و آسمان کو ہلا دیتے ہیں دشمنوں کے لشکر کا سیلاب جب حرکت کرتا ہے تو اس کی ہلچل اور چیخ و پکار سے آفاق کے کان کے پردے پھٹ جاتے ہیں۔ لشکر کے سرداروں میں سے دو افراد

جعفر بن ابی طالب وزید حارثہ شہید ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد لشکر کی علمداری عبداللہ بن رواحہ کے حصے میں آتی ہے، وہ پوری ہمت و بے خوفی سے پرچم اسلام کو ہاتھ میں لیتے ہیں اور یہ شعر گنگناتے ہوئے میدان جنگ میں وارد ہو جاتے ہیں۔

"اے نفس! اگر قتل نہ ہوا تو آخر کار موت آنے ہی والی ہے
موت لکھی ہوتی ہے اس کا وقت آگیا ہے لیکن اب وہ موقع آیا ہے
جس کی تو آرزو رکھتا تھا یعنی شہادت اگر تو وہ کام کر جائے جو سابق
کے دو شہیدوں نے کر دکھایا تو ہدایت و نجات کا راستہ تجھے مل گیا"

جس وقت عبداللہ بن رواحہ میدان جنگ کا رخ کر رہے تھے اور دشمن سے لڑنے کے لئے آمادۂ حرکت تھے، ان کے چچا زاد بھائی نے ان کو ایک لقمہ تھما دیا تاکہ وہ اس سے اپنی بھوک کو کچھ کم کر سکیں اور تھوڑی سی طاقت آ جائے عبداللہ نے لقمہ ہاتھ میں لے لیا اور کھانا چاہا مگر ناگہاں ان کے کان میں میدان جنگ میں کسی کی تلوار ٹوٹنے کی آواز آئی۔ انہوں نے پھر اسے نہیں کھایا اور بے تابانہ آواز دی:

عبداللہ تو زندہ ہے اور کچھ کھانے کے چکر میں ہے جبکہ مسلمانوں کو برابر قتل کیا جا رہا ہے لقمہ کو وہیں چھوڑ کر شعلہ جوالہ کی طرح خود کو دشمن پر ڈال دیا اور بے نظیر بہادری و دلاوری دکھا کر جام شہادت نوش فرمایا۔ (خدا کی رحمت ان پر اور ان کے ساتھیوں پر)

شمع بجھ گئی روشنی[۱۴] باقی ہے

یہ قطعاً انصاف نہیں کہ میں تو اپنی چھت کے نیچے اپنے اہل وعیال کے ساتھ آرام کروں اور عمدہ سے عمدہ کھانا کھاؤں، ٹھنڈا پانی پیوں لیکن ہمارے آقا و سردار رسول خدا[۴] کڑی دھوپ اور جھلساتی ہوئی گرمی میں جہاد کے لئے جا رہے ہوں۔

ایسی پاک روح والے روئے زمین پر کہاں ملیں گے اور کس مکتب فکر میں ایسے فدا کار و وفادار کا پتہ و نشان مل سکتا ہے کہ وہ خود ایک عام انسان ہے، نہ فوج کا کوئی افسر ہے نہ کوئی عہدہ و منصب رکھتا ہے پھر اسے دفاع کے لئے کون آمادہ کر رہا ہے، وہ تو اپنے رہبر سے بھی دور ہے۔ اس کی آواز بھی اس کے کانوں تک نہیں پہنچی۔ نہ وہ لشکر کی حرکت کے وقت شہر میں موجود تھا، لیکن ایسی باعظمت روح کا مالک ہے کہ جب سفر سے واپس آتا ہے اور شہر کو خالی دیکھتا ہے اور جب اس کو معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا[۱۴] اسلامی لشکر لے کر تبوک نامی مضبوط و بلند قلعے کی طرف روانہ ہو چکے ہیں تو وہ اسے برداشت نہیں کر پاتا کہ رسول خدا[۲] تو جنگ و جہاد میں مصروف ہوں اور وہ اپنے باغ کے کنج میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ زندگی میں مشغول ہو اور سفر کی تھکن دور ہونے کے انتظار میں رہے

اسی لئے وہ ایمان و اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا توشہ لے کر بغیر معلومات و رہنما کے تبوک کی طرف جنگ کے لئے چل پڑتا ہے۔ تبوک جو مدینہ سے بہت دور شام کی سرحد پر تھا۔ بہتر ہے کہ ہم اس داستان کو شروع کریں

غزوۂ تبوک ہجرت کے نویں سال واقع ہوا اور یہ ان غزوات میں سے ہے جس میں مسلمان بغیر جنگ و خونریزی کے کافی مال غنیمت لے کر مدینہ واپس آئے تھے اور حضرت علیؑ حکم پیغمبرؐ سے اس جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے اور مدینہ میں منافقوں کی سازش کو کچلنے کے لیئے رہ گئے تھے۔ منافقوں نے ارادہ کر رکھا تھا کہ رسول خداؐ کی غیر موجودگی میں انتشار پیدا کر کے اس نئی حکومت اسلامی کو گرا دیں گے مگر حضرت علیؑ نے منافقوں کے اس جال کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

بہر حال رسول خداؐ نے مسلمانوں سے مطالبہ کیا کہ وہ رومی افواج کے مقابل جس کی تعداد چالیس ہزار سوار و پیادہ تھی، اس کے علاوہ شام کی سرحد کے بعض قبائل کے ہمراہ تمام ضروری ہتھیاروں سے لیس ہو کر مسلمانوں سے جنگ کے لئے تیار تھے اپنی اسلامی جنگی قوتوں کو حرکت میں لائیں اور خدا کی قوت و طاقت سے ان تک پہنچ کر زمین حجاز کو ان کے واقعی خطرے سے محفوظ بنا دیں۔

چنانچہ اس حکم کے ساتھ ہی تھوڑی مدت میں تیس ہزار مسلمان لشکر گاہ مدینہ ثنیۃ الوداع میں جمع ہو گئے اور ہاتھوں میں پرچم اٹھا لئے مگر چند روز تک سب کے سب وہیں ٹھہرے رہے کیونکہ وسائل جنگ پوری طرح مہیا نہ تھے اور سپہ سالار اعظم خاتم الانبیاء محمدؐ بن عبداللہ کی طرف سے حرکت کا حکم بھی نہیں صادر ہوا تھا۔

جو لوگ جنگ و جہاد کے بہت زیادہ مشتاق تھے وہ چاہتے تھے کہ جلد کوچ کیا جائے۔ اور خدا کی مدد اور پیغمبرؐ کی سرداری میں دشمنان اسلام کو مغلوب کر لیا جائے، یہ لوگ رسول خداؐ کی خدمت میں پہنچے اور آنحضرتؐ سے کوچ کرنے کی درخواست کی اور اجازت چاہی تاکہ اپنے دینی فریضے پر عمل کر سکیں، لیکن انہوں نے نفی میں جواب پایا اور یہ معلوم ہوا کہ رسول خداؐ کے پاس اتنے گھوڑے

نہیں ہیں جوان کے حوالے کریں تاکہ وہ اس پر سوار ہوکر محاذ جنگ کی طرف روانہ ہوں تو ان کو بہت دکھ ہوا اور اتنا روئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک ٹپک کر زمین تر کرنے لگے اور ان کا چہرہ آنسوؤں میں ڈوب گیا۔ قرآن ان کے مراتب ایمان کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

"وہ لوگ جو تمہارے پاس اس لئے آئے تاکہ تم ان کو سواریاں دے کر روانہ جنگ کرو اور تم نے کہا کہ میرے پاس گھوڑے نہیں ہیں جو تمہیں دے سکوں اور چونکہ ان کے پاس اتنا مال و متاع نہ تھا کہ گھوڑے خرید سکیں اور خدا کی راہ میں ان سے کام لیں اس وجہ سے وہ لوگ باچشم گریاں تمہارے پاس سے واپس پلٹ گئے۔

(قرآن سورۃ ۹ ، آیۃ ۹۲)

قصہ کوتاہ کسی صورت سے لشکر اسلام روانہ ہوا اور ایمان سے مالا مال قلب کے ساتھ صف بہ صف شکوہ و شان کے ساتھ لشکر گاہ مدینہ سے پیغمبر خداؐ کی سرداری میں تبوک کی طرف چل پڑا اور جو کچھ خدا کا حکم و مقدر تھا اس لئے انہوں نے کوچ کیا۔ گئے اور دونوں جہان کی سعادت اپنے لئے جمع کر لی۔

"جانے والے گئے اور نہ جانے والے رہ گئے"

اس واقعہ کے چند روز بعد ہماری داستان کا ہیرو مالک بن قیس مؤمن و عاشق خدا و رسولؐ سفر سے مدینہ واپس آیا اور کب؟ جبکہ اس دن سخت گرم ہوا چل رہی تھی جس کی وجہ سے سارے مدینہ میں آگ سی پھیلی ہوئی تھی۔ لوگوں کے چہرے گرمی سے جھلس جاتے تھے۔ مالک بن قیس شہر میں داخل ہوتے ہیں اور جب دیکھتے ہیں کہ سارا مدینہ سنسان ہے تو وجہ پوچھتے ہیں اور رسول خداؐ کی سرداری میں لشکر اسلام

کے تبوک کی طرف روانہ ہونے کی خبر سنتے ہیں۔

جب انہوں نے اپنے ہرے بھرے باغ کو دیکھا جس کے درمیان ان کی مہ لقا بی بی نے ان کے لئے ایک سائبان تیار کیا تھا اور اسی میں اپنے شوہر کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ آئے سائبان سے ٹک کر کھڑے ہو گئے۔ ایک نگاہ اپنی دلربا و حسین بی بی کے روشن چہرے پر ڈالی پھر اس غذا کو دیکھا جو اس کے لئے تیار کی گئی تھی۔ پھر اپنے درختوں اور باغات اور ان کے خنک سایہ پر نظر کی تو چاہا کہ خوشی سے مسکرا دیں مگر فوراً ان کو رسول خداؐ اور ان کے ساتھیوں کی یاد آ گئی اور سوچا کہ اُف اس تیز دھوپ اور آگ برساتے ہوئے سورج کی کرنوں تلے ان گرم ہواؤں کے جھکڑوں میں وہ لوگ ایک بیابان (تبوک کا ٹیلہ) میں جنگ میں مشغول ہوں گے۔ کیسی کیسی زحمتیں اٹھا کر وہاں پہنچے ہوں گے اور اس وقت ان کا کیا حال ہوگا؟

غرض کہ وہ یہی سوچتے رہے اور تمام نقشہ ان کی آنکھوں میں گھومنے لگا۔ پھر انہوں نے ارادہ کر لیا کہ وہ اس سائبان سایہ دار اور اس بہترین غذا کو جو ان کی چاہنے والی بیوی نے تیار کیا ہے بالکل استعمال نہ کریں گے اور جس قدر جلد ممکن ہوگا اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر مجاہدوں کی صفوں میں مل جائیں گے۔

اس مردِ خدا، مجاہد اور سخت اور سرباز وفادارِ اسلام نے ان خیالات و سوچ بچار کے بعد سر کو اٹھایا اور اپنی بیوی سے بولا، یہ ہرگز انصاف نہ ہوگا کہ میں تو اپنی بیوی کے ساتھ گھریلو ماحول میں خنک سائبان کے نیچے استراحت کروں۔ لذیذ و عمدہ غذا میں کھاؤں، ٹھنڈا پانی پیئوں لیکن میرے سید و سردار مولا و آقا رسولؐ خدا گرم و سوزاں آفتاب کے نیچے جہاد کے لئے سرگرم سفر ہوں۔ یہ کام انصاف و آئین دوستی سے

بہت دور ہے ، ایمان و اخلاص مجھے اس کی اجازت نہیں دیتے کہ میں اس کام میں کوتاہی کروں
مالک بن قیس یہ جملے کہہ کر اپنی زوجہ سے رخصت ہوئے اور گھوڑے پر سوار ہوئے اور تبوک کی راہ لی ۔ وہ چلے تا کہ خدا کی مدد کریں ، وہ گئے تا کہ خود کو مجاہدین میں شامل کردیں ، وہ گئے تا کہ تاریخ ان کا نام ایثار و شکوہ و عزت کے ساتھ محفوظ کرلے ، وہ گئے تا کہ آنے والی نسلیں جان لیں کہ جب اسلام اور مسلمانوں کا رہبر خطرے میں ہو تو سائبان کے نیچے نہیں بیٹھنا چاہیئے اور غذائے لذیذ و ٹھنڈے پانی کی چاہت ترک کر دینا چاہیئے ، بلکہ اس راہ پہ چلنا چاہیئے جس پر وہ گیا ۔ وہ چلا گیا مگر راستہ دکھاتا گیا ۔

۱۵

میرے جنازے کو مشرکوں سے محفوظ رکھنا

خدایا ! بارالہا تجھے خوب معلوم ہے کہ میرے دشمن سلافہ نے طے کرلیا ہے کہ میرے کاسۂ سر میں شراب پیئے اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ میں برحق پیغمبر حضرت رسول خدا[ص] کے حکم سے یہاں آیا ہوں ۔ نصرت دین اسلام کے سوا میرا کوئی اور مقصد نہیں ہے ۔ لہذا تو میری شہادت کے بعد میرے جنازے کو مشرکوں اور قاتلوں سے محفوظ رکھنا ۔

جنگ احد میں قریش کے شرمناک شکست سے دوچار ہونے کے بعد مشرک سازشی منصوبے تیار کرنے لگے اور چاہا کہ مکر و فریب کے ذریعے مسلمانوں سے انتقام لیں ۔ اس کے لئے انہوں نے قبائل کی سادہ لوحی اور حریص طبیعت سے

فائدہ اٹھانا چاہا اوران کو وعدہ وعید کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے لگے کبھی کبھی ان کو زرکثیر دے کر کہتے تھے کہ فلاں مسلمان کا سر قلم کر کے ہمارے پاس لے آؤ تب ہم تم کو اس سے کئی گنا زیادہ رقم دیں گے۔ کبھی کبھی ان کو مشتعل کرنے کے لئے عورتوں کو اپنے مقتول شوہر یا برادر و پسر پر گریہ وزاری کرنے کے لئے آمادہ کرتے اور اس گھٹیا طریقے سے لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارتے تھے۔

چنانچہ ایک دن اسی مکارانہ عمل کے مطابق انہوں نے اس طرح کی عورتوں کو جمع کیا اوران عورتوں نے رونے دھونے کے ساتھ کشتگان کے خون کے انتقام کا نعرہ بھی بلند کیا اور ہر ایک عورت نے اس میں حصہ لیا، یہ احتجاج کافی مدت مختلف شہروں میں ہوتا رہا اوراس کے ذریعے قبائل کے نوجوانوں نے مسلمانوں سے جنگ کے لئے کوچ کرنے کی تحریک شروع کردی۔

اس دن سلافہ دختر سعد اور طلحہ کی بیوی بھی موجود تھی جس نے شوہر کے ساتھ چار بیٹے بھی جنگ اُحد میں گنوائے تھے وہ بھی تمام عورتوں کے ساتھ چیخ چیخ کر رو رہی تھی جب قبیلہ عضل وقارہ کے لوگ ادھر سے گزرے تو سلافہ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا، اے قبیلہ کے سردارو! جان لو کہ میں نے اپنے گیسو کٹوا دیئے ہیں اور قسم کھائی ہے کہ سر پر تیل نہ ملوں گی نہ مہندی لگاؤں گی، جب تک اپنے مقتولوں کا بدلہ ان کے قاتلوں سے نہ لے لوں اور میں نے عہد کر رکھا ہے کہ جو کوئی قاتلوں میں سے کسی ایک کا سر میرے پاس لائے گا اس کو سو اونٹ انعام دوں گی۔ قبیلے کے سرداروں میں سے سفیان بن خالد نامی شخص کو سلافہ کی باتوں نے لالچ دلائی، اس نے کہا کون ہیں ان کے قاتل؟

سلافہ نے جواب دیا کہ میرے۔ چار بیٹے مارے گئے ہیں ان میں سے دو کو

عاصم بن ثابت نے اور ایک کو طلحہ بن عبیداللہ نے اور چھ تھے کو زبیر بن عوام نے قتل کیا ہے۔ سفیان نے تھوڑی دیر کچھ سوچا پھر کہا، اے سلافہ! میں یہ کام کروں گا تو بھی اپنے وعدہ کو بھول نہ جانا۔ یہ کہہ کر سفیان وہاں سے آگے بڑھ گیا اور پھر سوچنے لگا کہ یہ کام کس شیطانی ترکیب سے انجام دے اور سلافہ کے اونٹوں کا مالک ہو جائے۔

آخر کار عضل و قارہ قبیلے کے سات آدمی اور بعض مؤرخین کے مطابق قبیلہ ہذیل کے بھی دو آدمیوں کا انتخاب کیا گیا جو دھوکہ دہی میں ابلیس سے بھی بڑھے ہوئے تھے اور حیلہ و مکر میں عمرو عاص سے بھی زیادہ چالاک تھے۔ سفیان بن خالد نے ان شیطان صفت افراد کو فریب و مکر کے لئے ترغیب و تشویق دلاکر شہر مدینہ کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ لوگ حیلہ و دھوکہ سے چند اصحاب رسولؐ اللہ کو رسول خداؐ کے حلقے سے نکال کر لے جائیں اور سلافہ اور دیگر مشرکین کے حوالے کر دیں اور مشرکین اسلام کی قوت گھٹانے اور انتقام کی غرض سے ان کو تلوار کے گھاٹ اتار دیں۔ اشرار کا یہ گروہ اپنے مکارانہ منصوبوں کو دل میں لئے ہوئے مدینہ پہنچا اور ثابت بن افلح کے گھر آکر اس کے شجاع فرزند عاصم بن ثابت سے بہت محبت و دوستی سے ملا اور کہا، اے عاصم! تم ہمیں رسول خداؐ کے پاس لے چلو اور اسلام سے ہماری محبت و رجحان کو بیان کرو۔ ہم اس لئے یہاں آئے ہیں کہ آنحضرتؐ کو بتائیں کہ ہمارے قبیلے کے سب لوگ اسلام کی طرف متوجہ اور قبول اسلام کے لئے آمادہ ہیں۔

اس لئے وہاں کے لئے چند لوگوں کو ہمارے ساتھ روانہ فرمائیں اور ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں میں سے ایک تم بھی ہو اور ہم کو شریعت کی تعلیم دو اور قرآن لکھاؤ۔ عاصم کو ان کی یہ بات پسند آئی اور خود کو اس کے لئے آمادہ کر لیا۔ دوسرے دن ان سب کو رسول خداؐ کی خدمت میں لے آئے۔ ان لوگوں نے جھوٹی تعریف و توصیف

اور دین مبین اسلام کے اظہار کے بعد کہا:

"اے خدا کے رسولؐ! ہمارے قلوب اسلام کی طرف راغب ہیں اور ہمارا علاقہ اسلام قبول کرنے کے لئے تیار ہوگیا ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ اپنے یاروں میں سے ایک گروہ کو ہمارے ساتھ روانہ فرمائیں کہ وہ ہمارے درمیان تبلیغ کرے اور ہمیں قرآن کی تعلیم دے اور حلال و حرام خدا سے آگاہ کرے۔"

پیغمبر اکرمؐ نے اپنے منصب و فریضہ کی بجا آوری کرتے ہوئے اس گروہ کو جو خود کو بڑے بڑے قبائل کا نمائندہ کہتا تھا، مثبت میں جواب دیا اور عاصم بن ثابت یا مرشد ابن ابی مرشد کی سربراہی میں چند نفر کو اس خطہ کے لوگوں کی تعلیم و قرآن و شریعت اسلام سکھانے کے لئے روانہ کر دیا۔ ان لوگوں نے جنگی لباس زیب تن کئے اور ہتھیار اٹھا لئے اور ان چھوٹے نمائندگان قبائل کے ساتھ چلنے کو تیار ہو گئے۔

نمائندگان قبائل نے کہا، اے یاران رسولؐ خدا تمہیں ہتھیار کی حاجت بالکل نہیں ہے کیونکہ وہاں کوئی تمہارا دشمن نہیں ہے بلا وجہ خود کو زحمت میں نہ ڈالو اور اسلحہ ساتھ نہ لو۔ اصحاب رسولؐ نے جواب دیا کہ مسافرت میں خطرے کا احتمال رہتا ہے۔ ممکن ہے کہ درمیان راہ میں کوئی امر عظیم یا حادثہ پیش آ جائے، اس لئے ہمارے تمہارے دونوں کے لئے اسلحہ کا رکھنا بہتر ہے۔

بہر حال یہ قافلہ چلا اور مدینہ سے نکل کر مسلمانوں کے پایۂ تخت و قدرت سے دور ہوگیا۔ رات کو مسافرت ہوئی اور دن کو کسی گوشے میں آرام کیا جاتا تھا یہاں تک کہ مکہ کے قریب رجیع کا علاقہ آگیا۔ وہاں پر قبیلہ عضل و قارہ کے قریبی نمائندوں میں

سے ایک اکیلا بہت آگے نکل گیا اور سفیان بن خالد کے پاس جا پہنچا اور کہا اب ہم عاصم بن ثابت کو دیگر اصحاب محمدؐ کے ساتھ اپنے علاقے تک لے آئے ہیں اس لئے جتنی اور جس قدر جلد ممکن ہو ہتھیار سجا کر چل پڑو تاکہ شہر کے باہر ہی ان کا کام تمام کر دیا جائے۔

سفیان یہ مژدہ سن کر شاد ہو گیا اور قبیلہ کے دوسو جنگجو جوان اور کمان دار پیغمبر اسلامؐ کے فرستادہ وفد کو گرفتار کرنے کے لئے دوڑ پڑے۔ دوسری طرف تمام نمائندگانِ قبائل نے رجیع کی زمین پر پہنچتے ہی اپنی نیت کو ظاہر کر دیا اور قبیلہ ہذیل کی کمک سے ارادہ کیا کہ وفد کے ارکان کو قید کر لیا جائے۔ جب مسلمانوں کو ان کی بدنیتی کا علم ہوا، اور ان کے مکرو حیلہ شیطانی سے خبردار ہوئے اور اپنے تئیں مسلح دشمنوں کے محاصرے میں پایا تو تلواروں کے قبضہ پر ہاتھ ڈال دیے اور اپنے دفاع کے لئے تیار ہو گئے جب مشرکوں نے دیکھا کہ انہوں نے نیام سے تلوار نکال لی ہے اور جنگ پر آمادہ ہیں تو قسم کھا کر کہنے لگے:

"اے یارانِ رسولؐ! تم کو گرفتار کرنے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ قریش کے منصب داروں کے پاس تم کو دست بستہ لے جائیں اور زندہ ان کے حوالے کر دیں اور اس کے بدلے میں ایک رقم یا کچھ اونٹ حاصل کر لیں۔"

مسلمانوں نے ایک دوسرے کو دیکھا ان میں سے بیشتر نے جنگ کا مصمم ارادہ کر رکھا تھا انہوں نے کہا کہ تمہارا مکر و فریب ہم پر ظاہر ہو چکا ہے اور اب ہم تم سے شرک و پرستش کی حالت میں کوئی معاہدہ نہیں کریں گے جب تک بدن میں جان رہے گی تم سے جنگ کریں گے۔ اس وقت ہماری داستان کے ہیرو عاصم بن ثابت نے اپنے دوسرے رفیقوں کی طرف رُخ کیا اور کہا:

"اے فرستادگان رسول خدا! خوش ہو جاؤ کہ خلاق و پروردگار عالم نے
ہمارے حصے میں شہادت لکھی ہے۔ بار بار ایسا موقع نہیں آیا کرتا
مردانہ وار جنگ کرو اور شہید ہو جاؤ۔"
مشرکین کو جب یہ پتہ چلا کہ عاصم اور اس کے چند ساتھی جنگ کا ارادہ رکھتے ہیں تو
ان سے مخاطب ہو کر کہا:
"اے عاصم! تم اور تمہارے ساتھی ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے، بہتر
ہے کہ جنگ کا خیال چھوڑ دو اور خود کو حوالے کر دو۔"
عاصم نے جواب میں کہا کہ:
"ہم کو شہادت میں کوئی جھجک نہیں ہے
کیونکہ ہم اپنے دین پر قائم ہیں۔"
سفیان بن خالد نے کہا کہ:
"عاصم! خود کو ہلاکت میں مت ڈالو، میں تم کو امان دیتا ہوں۔"
اس نے چاہا کہ اس حیلے سے عاصم کو زندہ گرفتار کر کے سلافہ کے حوالے کر دے
عاصم نے جواب دیا کہ میں مشرک کی امان کو قبول نہیں کروں گا اور اس کے بعد آسمان
کی طرف نظریں اٹھا کر کہا کہ:
"خدایا! اس خبر کو اپنے رسول کے پاس پہنچا دے۔"
اس کے بعد عاصم نے کچھ شعر کہے اور اپنے تیروں کو دشمنوں کی طرف پھینکنے لگے
ہر تیر سے ایک آدمی کو ہلاک کر دیتے تھے۔ جب تیر ختم ہو گئے تو انہوں نے
نیزہ اٹھا لیا اور دشمنوں پر حملہ آور ہوئے کافی دیر بعد جب نیزہ بھی ٹوٹ گیا تو
شمشیر کھینچی اور آسمان کی طرف رخ کر کے کہا:

"خدایا! پروردگارا! تجھے خوب معلوم ہے کہ میری دشمن سلافہ نے طے کر رکھا ہے کہ میرے سر میں شراب پیئے، تو جانتا ہے کہ میں تیرے برحق رسولؐ کے حکم سے یہاں آیا ہوں۔ سوائے نصرت اسلام کے کوئی مقصد نہیں رکھتا تو میری شہادت کے بعد میرے جنازے کو مشرکین سے محفوظ رکھ۔"

وہ شیر صفت مرد شجاع، وہ تشنۂ شہادت، وہ کہ جو دین کے معاملے میں مانند کوہ مضبوط تھا۔ جب ان کلمات کو ادا کر رہا تھا اور خدا سے راز و نیاز میں مشغول تھا، اسی حالت میں دشمنوں کی صف پر حملہ آور ہوا اور ان غداروں سے اس قدر جنگ کی کہ شہادت ہو گئی۔ "رحمۃ اللہ علیہ"

عاصم کی شہادت کے بعد سفیان بن خالد نے چاہا کہ ان کا سر کاٹ کر سلافہ کے پاس لے جائے اور سو اونٹ کا انعام پائے۔ لیکن خدا تبارک و تعالیٰ نے بھڑوں کا ایک جھنڈ بھیج دیا کہ وہ عاصم بن ثابت کی حفاظت کرے چنانچہ جو بھی عاصم کے جنازے کی طرف رخ کرتا اس کے سر اور چہرے پر بھڑیں جمٹ جاتی تھیں اور اتنا کاٹتی تھیں کہ پھر وہ آگے نہ بڑھ سکتا تھا، نہ کوئی جنازے کے قریب جا سکتا تھا۔ اس لیئے کفار نے طے کیا کہ رات کو جب بھڑیں چلی جائیں گی اس وقت آئیں گے اور سر کو تن سے جدا کر کے لے جائیں گے۔

لیکن جب رات آئی تو پہاڑ سے ایک سیلاب جاری ہوا اور عاصم بن ثابت کے خون بھرے جنازے کو بہا لے گیا۔ (خدا اس طرح بندوں کی دعا قبول کرتا ہے)۔

۱۶

یارانِ رسولِ خدا ایسے تھے

میں ہرگز راضی نہیں کہ پیغمبر اسلام کے پیر میں کانٹا بھی چبھ جائے اگرچہ اس کی قیمت میری آزادی مقرر کی گئی ہو۔

جس شخص نے اپنے حقیقی رہبر کو پہچان لیا اور خلوص و پاک دلی و آگاہی کے ساتھ اس کے کہنے پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوگیا ہو اور ہر چیز حتیٰ کہ اپنی عزیز جان بھی اس کی راہ میں فدا کردی مگر اس پر راضی نہ ہوا کہ اس کے رہبر کے پیر میں کانٹا چبھ جائے چاہے اسے قتل کرکے اس کی زندگی کا خاتمہ کردیا جائے۔

ہماری داستان کا ہیرو ان ہی پاک دل و مومن افراد میں سے تھا جو دین مقدس اسلام کا صدق دل و اخلاص سے گرویدہ تھے اور رہبر اسلام حضرت محمدؐ بن عبداللہ کی راہ میں ایسی ہی مضبوطی دکھائی کہ جب دشمن نے اس سے کہا کہ کیا تم اسے پسند کرتے ہو کہ تمہارے بجائے اسلام کے بزرگ رہبر محمدؐ بن عبداللہ مارے جائیں اور تم کو پھانسی کے تختے سے آزاد کردیا جائے؟

تو وہ جواب دیتا ہے میں تو اس پر بھی قطعی راضی نہیں کہ میری آزادی کی قیمت میں رسول خداؐ کے پیروں میں کانٹا چبھ جائے۔ اس مرد جلیل کا نام زید بن دثنہ تھا اور وہ اسی گروہ میں تھا جس کا حال ہم عاصم بن ثابت کے حالات میں بیان کرچکے ہیں کہ مشرکین کی ایک جماعت نے حرص و جہالت کے باعث یارانِ رسول خداؐ کے قتل کا مکارانہ منصوبہ بنایا اور چند اصحاب کو مبلغ اسلام کے طور پر رسول اللہؐ سے اجازت لے کر

مدینہ سے باہر نکل آئی۔

اور بہت دور مکہ کے نزدیک مقام رجیع پر آکر چند قبائل کی مدد سے ان لوگوں کو گرفتار کرنے کا ارادہ کیا لیکن جب انہوں نے مزاحمت کی تو جنگ چھڑ گئی اور دونوں طرف کے کچھ لوگ مارے گئے اس کے بعد سفیرانِ رسول خداؐ میں سے تین آدمی زید بن دثنہ، طارق بن عبداللہ اور خبیب بن عدی نے تلوار نیام میں رکھ لی اور مشرکوں نے ان لوگوں کو گرفتار کر لیا۔ بعد میں ان تینوں میں سے ایک فرد طارق نے درمیان راہ شمشیر نکال کر دشمنوں پر حملہ کیا لیکن جواب میں سنگباری کر کے ان کو شہید کر دیا گیا۔ باقی دو اسیروں زید بن دثنہ اور خبیب بن عدی کو مشرکین مکہ لے گئے اور سرداروں کے حوالے کر دیا کفار مکہ جو رسول خداؐ اور ان کے ساتھیوں سے اپنے سیاہ دل میں شدید عداوت رکھتے تھے، ان کو پاکر بہت خوش ہوئے اور طے کیا کہ ان دونوں کو جنگ بدر واحد کے مقتولوں کے انتقام کے طور پر بیچ دیا جائے اور شرط لگائی کہ خریداران کو مجمع عام میں پھانسی کے تختہ پر چڑھا کر موت کے گھاٹ اتارے۔ زید بن دثنہ کو صفوان بن اُمیہ نے خریدا تاکہ وہ ایک مبلغ اسلام کو قتل کر کے اپنے باپ کے خون کا انتقام لے کر اس کا باپ جنگ بدر میں مارا گیا تھا اور زید کو ایک بڑے اجتماع میں جس کے اندر تمام اہلیان مکہ موجود ہوں، مخصوص جگہ اور میدان میں سولی پر چڑھایا جائے۔

صفوان نے پھانسی کا تختہ "تنعیم" نامی مقام پر نصب کیا اور تمام لوگوں کو پھانسی کا منظر دیکھنے کی دعوت دی۔ کفار اور ان کے تمام یار دوست وہاں وقت معین پر آموجود ہوئے۔

زید بن دثنہ رسول خداؐ کے یار با وفا کو پھانسی کے تختے پر لٹکانے کے لئے جب لایا گیا تو ابوسفیان جو اس وقت فرعون مکہ تھا اور اسلام کی مخالفت میں جو حادثات

پیش آئے سب کا ذمہ دار وہی تھا اسی کے اشارے پر تمام طرح ریزی اور نقشہ بندی ہوئی تھی۔ یہ ابوسفیان بھی تماشائیوں میں موجود تھا اور زید بن دثنہ کو زبان سے زخم لگانا چاہتا تھا اس نے زید بن دثنہ سے کہا کہ تم کو اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس پر تمہارا ایمان ہے، کیا تم پسند کرو گے کہ تمہاری جگہ پر محمدؐ قتل کر دیئے جائیں اور تم صحیح و سالم گھر پلٹ جاؤ؟ زید بن دثنہ نے بڑے رعب کے ساتھ اس کا جواب دیتے ہوئے کہا میں ہرگز راضی نہیں کہ پیغمبر اسلامؐ کے پیر میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے، اگرچہ اس کی قیمت میری آزادی ہی قرار پائے۔

جس وقت ابوسفیان نے اس فداکاری اور جان گزشتگی و یاران رسولؐ کا آنحضرتؐ سے عشق دیکھا تو بے انتہا تعجب کے ساتھ بولا میری عمر گزر گئی مگر میں نے کسی کے ایسے فدائی دوست نہیں دیکھے، جیسے اصحاب محمدؐ، محمدؐ کے لئے ہیں۔ میں نے اب تک کسی کے ساتھیوں کو ان جیسا جاں فشاں اور مصیبت اٹھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔

تھوڑی ہی دیر میں زید بن دثنہ کا بے روح جنازہ تختۂ دار پر ظاہر ہوا۔ ان کی روح عزت و کرامت کے ساتھ جہان ابدی کو پرواز کر چکی تھی۔

مؤمن بہ خدا و رسولؐ کیا ہوتا ہے اس کا وہ نمونہ تھے اور حق و حقیقت کے نشر و دستور اسلامی اور شرک و بت پرستی سے جنگ کرنے میں اپنی زندگی گزاری اور پھر اچھوں کی صحبت میں ہمیشہ کے لئے پہنچ گئے۔ خدا ان پر رحمت نازل کرے۔

۱۷

راہِ خدا میں میرا خون ہیچ ہے

بخدا اگر میں مسلمان مروں تو پھر کوئی غم نہیں کہ کس جگہ دفن کیا جاؤں گا۔ میری موت خدا کی راہ میں ہے اگر وہ چاہے تو میری شہادت میرے جسم کے ہر ٹکڑے کے لئے مبارک قرار دے۔

پچھلی داستان جس میں زید بن دثنہ کے تفصیلی حالات بیان کئے گئے ہیں۔ کہا جا چکا ہے کہ وہ تین افراد جو قبیلہ عضل و قارہ و ہذیل کے روباہ صفت مشرکوں کی قید میں آ گئے تھے ان میں سے ایک خبیب بن عدی نام کے بزرگ بھی تھے۔ ان کا شمار رسول خداؐ کے یاران باوفا میں ہوتا تھا یہ وہی ہیں کہ جب انہوں نے نفرین و ملامت کی تو تمام مشرکین لرز اٹھے اور اپنی انگلیوں کو کان میں ٹھونس لیا تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے سننے سے ان پر غشی طاری ہو جائے۔

جس وقت خبیب کو کافروں نے گرفتار کر لیا تو بعض مورّخین کے مطابق ان کو حارث بن عامر کی بیٹی یا حارث کے مادری بھائی حجر بن ابی اہاب نے خرید لیا تاکہ جنگ بدر کے مقتول حارث کے بدلے میں ان کو قتل کر ڈالے۔ مدتوں کی پوچھ گچھ اور قید کے بعد کفارِ مکہ کی کمیٹی نے طے کیا کہ ان کو بھی زید بن دثنہ کی طرح تنعیم کے مخصوص مقام پر سولی دے دی جائے۔

مقررہ دن آ پہنچا اور خبیب کو پھانسی کے تختہ پر کھڑا کر دیا گیا تاکہ ان کو ختم کر دیا جائے۔ خبیب نے کہا کہ مجھے دو۲ رکعت نماز پڑھنے کی مہلت چاہیئے

کافروں نے ان کی بات مان لی۔ اور وہیں نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے بڑے خضوع و خشوع قلب کے ساتھ خبیب نے نماز ختم کی اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا اور کہا :

" خداوندا ! تیرے رسولؐ خاتم النبیین محمدؐ بن عبداللہ نے ہمیں جو کام سونپا تھا اسے ہم نے انجام دیا۔ اب میں اپنے جسم کو تیری رضا کے حوالے کرتا ہوں " اس کے بعد مشرکین پر انہوں نے نفرین کی اور کہا :

" اللّٰھم احصھم عددا و اقتلھم بددا ولا تغادر منھم احدا "

خبیب کی اس بددعا نے کافروں کے دلوں میں ایسا رعب پیدا کر دیا کہ انہوں نے اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لیں اور اس خوف سے کہ فوراً ہی کوئی آفت یا حادثہ نہ واقع ہو جائے۔ سب کے سب زمین پر لیٹ گئے کیونکہ اس زمانے میں لوگوں کا عقیدہ تھا کہ بلا نازل ہونے یا کسی محترم شخصیت کی بددعا کے وقت اگر کوئی زمین پر لیٹ جائے تو ضرور نقصان سے بچ جاتا ہے۔

اس سنسنی خیز حالت کے بعد خبیب کو سولی پر رسی سے باندھ دیا اور ان کے منہ کو کعبہ کے بدلے مدینہ کی طرف کر دیا۔ انہوں نے اس معاندانہ رویے کی جگہ قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

" وللّٰہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللّٰہ ان اللّٰہ واسع علیم " (قرآن، سورۂ ۲، آیۂ ۱۱۵)

مشرق و مغرب خدا ہی کے لئے ہیں۔ تم جہاں بھی اور جس طرف بھی منہ کر لو وہیں خدا ہے یقیناً خدا بڑے وسیع علم کا مالک ہے۔

کافروں نے کہا کہ اے خبیب اسلام ترک کردو تاکہ یہ بلا بھی ٹل جائے اور ہم تمہیں آزاد کردیں، انہوں نے کہا:

"ایسا ہرگز نہ کروں گا"

کافروں نے اضافہ کیا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری جگہ محمدؐ ہوں اور تم اطمینان و آرام کے ساتھ اپنے گھر لوٹ جاؤ۔ یہ سن کر اس مؤمن حقیقی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ بولے:

"خدا کی قسم میں نہیں چاہتا کہ میں سلامت رہوں اور آنحضرتؐ کے پیر میں کانٹا چبھ جائے"

ان لوگوں نے کہا کہ ہم لات وعزیٰ کی قسم کھاتے ہیں کہ اگر تم نے محمدؐ کا دین نہ چھوڑا تو ہم تمہیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔

خبیب نے بڑی بے جگری سے جواب دیا اور کہا:

"راہ خدا میں میرا خون کوئی قیمت نہیں رکھتا"

اور پھر آسمان کی طرف منہ کر کے کہا:

"خدایا! تو دیکھ رہا ہے کہ میرے اردگرد ایک دوست و آشنا نہیں ہے کہ میرا سلام پیغمبر اکرمؐ تک پہنچائے۔ خدا تو میرا سلام اپنے حبیب رسول اکرمؐ تک پہنچا دے"

اس وقت حضرت رسول خداؐ مدینے میں اپنے اصحاب کے درمیان بیٹھے ہوئے گفتگو میں مصروف تھے کہ ناگہاں لوگوں نے دیکھا اور سنا کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا "علیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" پھر فرمایا کہ خدائی قاصد جبرئیل نے خبیب بن عدی کا سلام مجھ تک پہنچایا اور میں نے بھی ان کو جواب سلام دیا۔

جس وقت خبیب نے رسول خداؐ کو اپنا سلام بھیجا اس وقت چند اشعار بھی کہے جس کا خلاصہ یہ ہے :

خدا کی قسم اگر میں مسلمان مروں تو پھر مجھے اس کا غم نہیں کہ کس علاقے میں دفنایا جاؤں گا، میری موت اللہ کی راہ میں ہے اگر وہ چاہے تو اس شہادت کو میرے جسم کے ہر عضو کے لئے مبارک بنا دے۔

جب اس مرد روحانی اور فرستادۂ رسولؐ خدا نے ایسی بہادری دکھائی اور ایک ایک مشرک کی باتوں کا جواب نہایت متانت و مضبوطی کے ساتھ دیا تو ان میں سے ایک مشرک ابوعقبہ جو اسلام کا سخت ترین دشمن تھا ان کے حملوں کے برداشت کرنے کی طاقت کھو بیٹھا اور تلوار نکال کر خبیب بن عدی کے پیکر پر سخت وار کیا اور چیخ کر بولا، جوانان قریش اب تمہارے باپ اور بزرگوں کا قاتل تمہارے سامنے ہے اس کا کام تمام کرو اور اس کو سولی پر چڑھاؤ اور اپنے نیزوں کو اس کے بدن میں چبھو دو۔ اس بے رحم جماعت اور دشمنان اسلام نے ایسا ہی کیا اور ان کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ خبیب نے تختۂ دار پر ایک شعر پڑھا اور فرمایا :

"اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمدؐ رسول اللہ"

اور ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔ (ح)

کفار قریش نے خبیب کو پھانسی پر چڑھایا اور تلوار و نیزہ کا زخم لگا کر ان کو شہید کر دیا اور طے کیا کہ ان کے قتل کی خبر کو نشر کریں، اور دوسرے لوگوں کو ڈرانے دھمکانے کے لیے ان کی لاش تختۂ دار پر ہی لٹکی رہے تاکہ دوسرے عبرت حاصل کریں جب رسولؐ خدا کو یہ خبر ملی تو آپ نے ارادہ ظاہر کیا کہ خبیب کے جنازے کو پھانسی کے تختے سے اتار کر کفار کے پنجے سے نکال لایا جائے۔

اس غرض سے آنحضرتؐ نے اصحاب کے مجمع میں فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو خبیب کی لاش تختۂ دار سے اتار کر زمین پر لے آئے؟

دو جوان زبیر بن عوام اور مقداد بن اسود اس خدمت کے لئے آمادہ ہو گئے اور کہا کہ ہم خبیب کا جنازہ تختۂ دار سے اتاریں گے۔ یہ دونوں اس کام کا تہیہ کر کے مدینے سے نکلے۔ راتوں کو مسافرت کرتے تھے، دن بھر گھاٹیوں اور دروں میں چھپتے رہتے، یہاں تک کہ نصف شب کے وقت مضافات میں پہنچ گئے، حالات کا جائزہ لیا اور پھانسی کے مقام تنعیم کا پتہ لگایا اور اپنے کام کا نقشہ بنایا اور پھر اسے انجام دینا شروع کیا یہ خبیب کی شہادت کی چہلم والی رات تھی، اسی رات دونوں صحابی تنعیم کے قریب آکر چھپ گئے، انہیں یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ رات کے وقت مشرکین کے چالیس افراد خبیب کے جنازے کی نگرانی کی غرض سے پھانسی کے تختے کے گرد جمع ہو کر کھانے اور شراب میں مشغول رہتے ہیں۔ اور باتیں کرتے کرتے سو جاتے ہیں۔ وہ لوگ مشرکین کے اس معمول سے آگاہ تھے۔

چہلم ہی کی رات جب انہوں نے دیکھا کہ سب سو گئے ہیں تو وہ اپنی جگہ سے اٹھے، باہر نکل کر خبیب بن عدی کے زخمی جنازے کو تختۂ دار سے اتار کر نیچے لائے، دیکھا کہ جنازہ اب بھی پاک اور تر و تازہ ہے اور خبیب اپنا ہاتھ گہرے زخم پر رکھے ہوئے ہیں، جب انہوں نے خبیب کا ہاتھ زخم سے ہٹایا تو اس سے خون بہنے لگا جس سے مشک کی خوشبو آرہی تھی۔

زبیر بن عوام نے جنازے کو اپنے گھوڑے پر باندھا اور مدینے کی راہ لی، لیکن ابھی وہاں سے زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ مشرکین کی آنکھ کھل گئی اور وہ بیہوشی سے ہوش میں آگئے، انہوں نے خبیب کے جنازے

کو سولی پر نہ پاکر دوسروں کو بھی خبردار کر دیا چنانچہ سب نے زبیر بن عوام کا پیچھا کیا۔

جس وقت زبیر بن عوام اور مقداد بن اسود نے دور سے مشرکین کو آتے دیکھا تو جنازے کو اسی جگہ زمین میں دفنا دیا، بعض مورخین کے مطابق جیسے ہی خبیب کا جنازہ زمین پر آیا تو فوراً ہی زمین نے اسے اپنے سینے کے اندر جگہ دے دی۔ اسی سبب سے بعد میں حبیب بن عدی کا لقب بلیع الارض ہو گیا یعنی (جسے زمین نگل گئی۔)

جس وقت کفار کا لشکر رسولؐ خدا کے دونوں صحابیوں کے پاس پہنچا اور چاہا کہ کچھ کہے، زبیر بن عوام نے اپنے چہرے سے نقاب اٹھائی اور کہا:

"اے گروہِ قریش! کس چیز نے تمہیں جری کیا ہے جو ہم دونوں کا پیچھا کر رہے ہو۔ میں زبیر بن عوام ہوں میری ماں صفیہ بنت عبدالمطلب ہیں۔ میرے ساتھ یہ میرے ساتھی مقداد بن اسود ہیں۔ ہم دو شیر ہیں جو اپنے ٹھکانوں کی طرف جا رہے ہیں۔ اگر تم لڑنا چاہتے ہو تو ہم تیار ہیں اور اگر پلٹ جاؤ تو یہ تمہاری مرضی کی بات ہے"

کفار نے جب ان کے پاس خبیب کا جنازہ نہ پایا تو تھوڑی دیر تک ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے اور پھر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جانے کا ارادہ کر لیا۔

یہ دونوں صحابی (زبیر و مقداد) بھی مدینے آ گئے اور تمام قصہ رسولؐ خدا کے سامنے بیان کر دیا۔

یہ تھی تفصیل احوال خبیب بن عدی کی

۱۸ خدا کی قسم میں نجات یافتہ ہو گیا

لوگو ! میں رسولؐ خدا کا فرستادہ ہوں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں خدائے یکتا اور اس کے پیغمبرؐ پر ایمان لانے کی دعوت دوں۔

ابھی" رجیع" کے دردناک حادثہ کو پندرہ دن بھی نہ گزرے تھے کہ سریہ بئرمعونہ کا بہت ہی تکلیف دہ و جانگداز واقعہ پیش آیا۔ جس نے رسول خداؐ کے قلب مبارک کو ہر شئے سے زیادہ تڑپایا۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ چالیس روز تک اپنی نمازوں کے قنوت میں ان قبائل کے لیئے نفرین و بد دعا کرتے رہے، جنہوں نے بزدلی اور نامردی کے ساتھ یاران رسولؐ خدا کو شہید کیا تھا، اور خدائے قہار سے ان ظالموں کے اعمال بد کا عبرتناک انجام و سزا طلب فرماتے تھے۔

اس المناک واقعہ میں جو" رجیع" کے چودہ پندرہ دن بعد پیش آیا۔ رسولؐ خدا کے چنے ہوئے ۳۹ برگزیدہ اصحاب نے اپنی جان دی اور شربت شہادت نوش فرمایا۔ ہم یہاں اس کے ایک گوشے کی طرف اشارہ کریں گے۔

اس حادثے کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ قبیلہ بنی عامر کے بزرگوں میں سے ایک شخص عامر بن مالک معروف بہ ابو براء مدینہ آتا ہے۔ رسولؐ خدا کی خدمت میں شرفیاب ہوکر کچھ ہدیہ و تحفہ پیش کرتا ہے۔ رسولؐ خدا نے اس ہدیے کو قبول نہیں فرمایا اور فرمایا کہ میں کسی مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔ ہاں اگر تو چاہتا

ہے کہ میں اسے قبول کر لوں تو اسلام میں داخل ہو جا۔

ابو برا نے کہا کہ مجھے آپکی بیعت و متابعت میں کوئی خوف نہیں ہے لیکن میں اسلام سے دشمنی کا اظہار اور مخالفت نہیں کرتا۔

میں اپنی قوم و قبیلے میں اتنا اثر بھی رکھتا ہوں کہ جو میں کہتا ہوں دوسرے قبول کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر آپ اپنے اصحاب و انصار کی ایک جماعت کو ہمارے وطن نجد بھیج دیں اور وہ ہمارے عوام کے درمیان جاکر ان کو اسلام کی دعوت دیں تو امید ہے کہ وہ آپ کے سفیروں کی بات مان لیں گے اور اسلام قبول کر لیں گے۔

رسولؐ خدا جو ابھی واقعہ رجیع سے پرغم و اندوہ تھے اور ان شہیدوں کے سوگ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ابو برا سے فرمایا:

"میں تمہاری سرزمین نجد سے مطمئن نہیں ہوں، مجھے خوف ہے کہ تمہاری قوم والے میرے فرستادگان کو آزار پہنچائیں گے۔"

ابو برا نے کہا میں آپ کے فرستادگان کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں اور اس صورت میں وہ امن و امان میں رہیں گے۔ اس گفتگو کے بعد رسولؐ خدا نے احکام قرآن کی تبلیغ اور اسلام کی پیش رفت کی خاطر اپنے برگزیدہ اصحاب میں سے چالیس افراد مثلاً منذر بن عمرو، حرام بن ملحان، حارث بن صمہ، عروہ بن اسماء، نافع بن عدیل، عامر بن فہیرہ، حکم بن کیسان، طفیل بن اسعد اور چند دوسروں کو منذر بن عمرو کی سرکردگی میں ابو برا کے ساتھ سرزمین نجد کی طرف روانہ کر دیا۔ اور قبیلہ بنی سلیم کے سردار عامر بن طفیل کو خط بھی لکھا کہ وہ دین مقدس اسلام سے عشق و تعلق برقرار رکھتے ہوئے آنحضرتؐ کے تبلیغی وفد کی اعانت کرے۔ پھر خط کو سردار گروہ منذر بن عمرو

کو دے کر ان کو الوداع کہا۔

رسول خدا کا بھیجا ہوا یہ وفد مدینہ سے نکل کر اپنی منزل کو چل پڑا۔ چند روز کے سفر کے بعد ابوبرا کی ہمراہی میں ان لوگوں نے قبیلہ بنی سلیم کے قریب چاہ مونہ پر اپنا پڑاؤ کیا۔ اونٹوں کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا اور چند گھنٹے استراحت کے بعد منذر بن عمرو نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے کہا کہ :

"کون ہے جو رسول خدا کے خط اور پیغام اور ہمارے آنے کے مقصد کو اس مقام پر اور اس علاقہ کے لوگوں کو بتائے تاکہ وہ لوگ جان لیں کہ ہم رسول خدا کے بھیجے ہوئے ہیں اور سوائے احکام اسلام کی تبلیغ کے ہمارا کوئی دوسرا مقصد نہیں ہے۔"

مجمع میں سے ایک جوان حرام بن ملحان جو ہماری کہانی کا ہیرو ہے۔ اٹھ کھڑا ہوا اور اس پرخطر کام کو اپنے ذمہ لیا اور کہا کہ میں اس کام کو انجام دوں گا۔ اس نے دو افراد کو اپنے ساتھ لیا اور قبیلہ بنی سلیم کے قریب پہنچ کر اپنے ساتھیوں سے بولا۔ تم یہیں رہو۔ میں ان کے پاس جا کر رسول خدا کا پیغام و خط پہنچاتا ہوں۔ اگر وہ میرے ساتھ بھلائی سے پیش آئے تو تم بھی آ جانا اور اگر ایسا نہ ہوا اور انہوں نے دشمنی کا مظاہرہ کیا تو تم یہ خبر دوسرے ساتھیوں کو پہنچانا اور ان کو تمام حال سے مطلع کر دینا

حرام نے یہ کہا اور رسول خدا کا خط ہاتھ میں لے کر سردار قبیلہ عامر بن طفیل کے پاس تیز قدموں سے پہنچ گئے۔ نامہ و پیام رسول خدا اسے پہنچایا اور اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ عامر ایک مغرور و خود پسند آدمی تھا اس نے نہ خط کھولا اور نہ اس پر کوئی اعتنا ہی کی، رسول خدا کے خط کا جواب بھی نہ دیا۔

جس وقت حرام بن ملحان نے یہ حالت دیکھی تو اپنی جگہ سے چل کر اس

سرزمین کے لوگوں کے درمیان پہنچ گئے اور بلند آواز کے ساتھ لوگوں کو خطاب کرکے کہا :

"لوگو ! آگاہ ہو جاؤ کہ میں پیغمبر خدا کا فرستادہ ہوں، تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ تم کو دعوت دوں کہ خدائے یکتا اور اس کے پیغمبر پر ایمان لے آؤ ــــــــ"

ابھی خرام کی بات ختم بھی نہ ہونے پائی تھی ایک شخص ایک خیمے سے نیزہ لئے ہوئے باہر آیا اور خرام کے پہلو میں اس زور سے مارا کہ جسم کے پار ہوگیا، خرام نے نعرہ لگایا اور کہا :

"اللہ اکبر فزت ورب الکعبہ"

خدا بزرگ ہے۔ کعبہ کے پروردگار کی قسم میں نجات یافتہ ہوگیا۔

سردار قبیلہ عامر بن طفیل لوگوں کے درمیان آیا اور ان سے رسول خدا کے وفد کو قتل کرنے کے لئے مدد و اشتراک کا خواستگار ہوا مگر وہ لوگ عامر کے چچا ابوبرا کے احترام میں کہ اس نے ان کو پناہ دی تھی، عامر کا ساتھ دینے پر راضی نہیں ہوئے اور کہا تیرا چچا ابوبرا جو اس قوم کا بزرگ و شیخ ہے اس نے اس جماعت کو پناہ دی ہے اس لئے ہم اس عہد و پیمان اور اس کی حرمت کو توڑنے پر تیار نہیں نہ ہم ان سے جنگ ہی چھیڑ سکتے ہیں۔

جب عامر بن طفیل نے یہ صورتحال دیکھی تو بنی سلیم کے علاوہ دیگر قبائل مثل قبیلۂ عصیہ، رعل و ذکوان سے مدد مانگی، ان کو ساتھ لے کر مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے آگیا۔ مسلمان یعنی رسول خدا کا تبلیغی گروہ یہ حال دیکھ کر دفاع کے لئے تیار ہوگیا اور لڑائی چھڑ گئی۔ اس افتخار آمیز جنگ میں ایک

کے سوا سب کے سب شہید ہو گئے اور بہشت میں اپنی جگہ بنا لی۔ ان پر صلوات و رحمت اور اُن پر بھی جو اُن کی راہ پر چل رہے ہیں۔

۱۹

چھٹے نمبر پر اسلام لانے والا

خباب بن ارث پر خدا کی رحمت کہ انہوں نے رغبت و شوق کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ پھر ہجرت کی۔ وہ اپنی زندگی قناعت کے ساتھ گزارتے اور بقدر کفایت پر راضی تھے اور ہر حال میں اپنی مرضی پر خدا کی خوشنودی کو مقدم کرتے تھے۔ ان کی زندگی اوّل سے آخر تک کوشش اور مجاہدی کی تھی۔ [1]

خباب بن ارث

اے راست گو انسان یہ صحیح ہے کہ میری حیثیت ایک غلام سے زائد نہیں اور وہ بھی ایک عورت کا غلام اور میرا پیشہ بھی لوہاری، گھوڑوں کی نعل بندی، تلوار کو دھار لگانا، نیزہ و تیر بنانا ہے۔ میں ان کاموں کو چھوڑ کر تیرا دلنشین اور بہترین کلام سننے کے لئے نہیں آ سکتا۔ اگرچہ میں تجھ سے باتیں کرنے اور تیری باتیں سننے کا بے حد اشتیاق رکھتا ہوں۔ اس لئے میری عاجزانہ گزارش ہے کہ بشرط امکان اور فرصت ملنے پر کبھی کبھی میرے یہاں تشریف لائیں۔ میرے کارخانے میں تشریف لا کر مجھے اپنے حکیمانہ سخن اور سبق آموز نصائح سے آگاہ و متنبہ فرمائیں۔

[1]: زندگانی محمدؐ

محمد مصطفیٰ ؐ نے اس جوان کی درخواست کو قبول فرمایا اور گاہے گاہے جناب بن ارث کے پاس جانے لگے اور وہاں بیٹھ کر اس سے گفتگو کرتے اور اپنا درد دل سناتے۔ یہ طریقہ مستقل ہو گیا۔ حتیٰ کہ رسول خداؐ، اللہ کی طرف سے پیغمبری پر مبعوث ہوئے اور اپنی رسالت سے اقربا، و دوستوں کو آگاہ کیا اور دین مقدس کی دعوت دی۔

پہلی فرصت میں جناب بن ارث اپنے صفائے باطن کی وجہ سے رغبت و شوق کے ساتھ دین اسلام کا گرویدہ ہو گیا اور مسلمانوں کی پہلی جماعت کا ایک فرد بن گیا۔ کہتے ہیں کہ رسول خداؐ پر جو اس وقت محمدؐ امین کہلاتے تھے ایمان لانے والوں میں اس کا چھٹا نمبر تھا۔

جب جناب بن ارث کے ایمان لانے کی خبر اس کی مالکہ ام انمار تک پہنچی تو اس نے ان کو سخت ترین شکنجہ و سزا دینا شروع کر دی۔ وہ لوہے کی سلاخ کو گرم کر کے جناب کے سر پر رکھ دیتی اور کہتی کہ اسلام سے پھر جائے اور اپنے باپ دادا و آقا کے دین پر واپس پلٹ آئے لیکن پاک طینت و خلوص نیت رکھنے والے جناب بن ارث پر اس کا کچھ اثر نہ ہوتا۔ وہ دین اسلام کو چھوڑ کر مشرکین و جاہلیت کے مذہب پر آنے کو قطعاً راضی نہ ہوئے۔

ہر اذیت، عذاب، شکنجہ اور زحمت کا تحمل استقامت کے ساتھ کرتے اور کہتے تھے کہ اے ام انمار! تیرا جو جی چاہے مانگ لے میں اسے پورا کرنے پر کمربستہ ہوں لیکن مجھ سے یہ مطالبہ نہ کر کہ میں دین اسلام سے منحرف ہو جاؤں۔ جسے ایک مرد امین و راستگو لایا ہے۔

چونکہ میں نے اس دین کو رضا و رغبت اور دل کے میلان کی وجہ سے قبول

کیا ہے۔ اسی میں اپنی سعادت و خوش بختی جانتا ہوں، لیکن ام انمار ان کی ایک نہ سنتی اور شکنجہ و اذیت کو بڑھاتی جاتی تھی لیکن خباب کا ایمان اتنا ہی محکم اور مضبوط ہوتا جاتا تھا۔

آخر اس مشرکہ ام انمار نے یقین کر لیا کہ وہ بذات خود خباب کو مار پیٹ، سختی و عذاب کے ذریعے اسلام سے پھیر کر آباؤ اجداد کے دین پر نہیں لا سکتی ہے، اس لئے اس نے خباب کو مشرکین مکہ کے سپرد کر دیا اور کہا کہ اس کے ساتھ جو چاہو کرو اور اس کو اسلام سے اپنی طرف پلٹا لاؤ۔ مشرکین خباب بن ارث کو بیرون شہر لے گئے اور ان کو آہنی لباس پہنا کر تپتی ہوئی ریگستانی زمین پر لٹا دیا تا کہ وہ لوہے اور سورج و ریگ کی گرمی سے بے چین ہو کر دین مقدس اسلام سے دستبردار ہو جائیں لیکن انہوں نے دیکھا کہ اس عمل کا معمولی اثر بھی ان پر نہ ہوا اور ذرا بھی دین اسلام سے بے رغبت و بدبین نہ ہوئے۔

اپنی بات منوانے کے لئے لکڑیاں جمع کیں اسے سلگایا جلایا وہ سب انگاروں میں تبدیل ہو گئیں تو خباب کو اس پر ننگے بدن پشت پر لٹا دیا۔ خباب کہتے ہیں؛ ایک دن جب مجھے انگاروں پر لٹایا جا چکا تھا مشرکین سے ایک آدمی آیا اور میرے سینے پر پیر رکھ کر کھڑا ہو گیا اور اتنا کچلا کہ میرے گوشت و چربی و کھال نے آگ کو بجھا دیا۔ آخر عمر تک برص و داغ کی صورت میں اس جلنے کے نشان خباب بن ارث کی پشت پر دکھائی دیتے رہے۔

ایک دن مشرکین نے بڑے بڑے پتھروں کو آگ میں گرم کر کے خباب کی پشت پر رکھ دیا اور اتنا دبایا کہ خباب کا گوشت پانی بن کر بہنے لگا، لیکن ان تمام عذاب و شکنجہ کو انہوں نے برداشت کیا اور اسلام و پیغمبر خدا کو نہیں چھوڑا

اور کہتے رہے کہ :

"اگر تم دنیا کے تمام پہاڑوں کو گرم کرکے میری پشت پر رکھ دو تو بھی میں اس دین حق سے نہیں پھروں گا جسے میں نے اپنی رغبت و مرضی سے قبول کیا ہے، کیونکہ میں نے رسولؐ خدا کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ :

تم سے پہلے والے اس قدر بردبار و صابر تھے کہ کبھی کبھی ایک شخص کو پکڑتے تھے اور زمین میں گڑھا کھود کر اسے اس میں دفن کر دیتے تھے پھر اس کے سر پر آرہ چلاتے تھے۔ لوہے کی کنگھیوں سے اس کے گوشت و ہڈی اور بدن کی رگوں میں کنگھا کرتے تھے اور کاٹتے تھے لیکن وہ لوگ اس شکنجہ و زحمت کو قبول کرتے ہوئے اپنے دین اسلام سے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

اس کے بعد خباب کہتے تھے کہ میں نے تمام تکلیف و اذیت و شکنجہ دین کی راہ میں قبول کیا ہے اور اس سے دست بردار نہ ہونگا۔ مشرکین یہ باتیں سن کر سخت ناراض ہوئے اور اس مرد خدا پر جو شجاعت و صبر کا نمونہ تھا۔ اپنی سختیوں کو دو چند کر دیتے مگر ان کا حال وہی رہتا البتہ کبھی کبھی دل تنگ ہو کر پیغمبرؐ کے پاس آتے اور اپنے درد دل کو ظاہر کرتے مشرکین کی شکایت کرتے ایک دن آنحضرتؐ سے انہوں نے کہا :

"یا رسولؐ اللہ ! ام انمار مجھے بہت اذیت دیتی ہے کوئی دن نہیں گزرتا کہ وہ لوہا گرم کرکے میرے سر پر نہ رکھتی ہو ـــــ"

رسولؐ خدا نے دعا کی اور فرمایا "اللھم انصر خبابا" خدایا ! خباب کی مدد کر۔

اس کے بعد ام انمار کے سر میں ایسا درد پیدا ہوا کہ بے چین ہو کر بستر پر کروٹیں بدلتی تھی۔ اور کتّے کی طرح بھونکتی تھی۔ حکیموں نے اس کا علاج یہ بتایا کہ لوہے کا ٹکڑا آگ میں گرم کر کے اس کے سر کو داغا جائے۔ وہ خباب سے کہتی کہ جلد لوہا گرم کر کے لاؤ اور میرے سر پر رکھو۔

ہماری داستان کے ہیرو خباب بن ارث نے صدر اسلام کی اکثر جنگوں میں شرکت کی حتیٰ کہ جنگ صفین پیش آئی تو وہ بیمار تھے اس لئے اس میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ جب حضرت علیؑ صفین میں تھے تو خباب نے وفات پائی اور اپنی وصیت کے مطابق بیرون شہر دفن کئے گئے۔ جب حضرت علیؑ صفین کی جنگ سے واپس ہوئے اور خباب کی وفات کی خبر سنی تو فرمایا:

" خدا خباب پر رحمت نازل کرے اس نے رضا و رغبت سے اسلام قبول کیا اطاعت میں ہجرت کی، زندگی بھر قانع رہا بقدر کفاف پہ راضی اور ہر حال میں خوشنودیٔ خدا کو اپنی خواہش پر ترجیح دیتے تھے اور اس کی تمام زندگی جدوجہد و مجاہدہ تھی۔ بعد میں فرمایا کہ:

" خدا کسی کی نیکی ضائع نہیں کرتا اس کا بدلہ ضرور دیتا ہے "

۲۰

میں علی ابن ابی طالبؑ ہوں

رسولؐ خدا

. . . . . . تم اس رات میرے بستر پر سو رہو اور وہی سبز چادر جو میں اوڑھتا ہوں، تم اوڑھ لو۔

علیؑ

. . . . . . اگر میں آپ کی جگہ سو جاؤں تو آپ کی جان سلامت رہ جائے گی؟

رسولؐ خدا

ہاں

اے عاشقانِ حقیقت اور دنیا کے شجاع ترین فرد کے دوستو! ایسا بہادر جو شجاعت کو حقیقت بنا کر اپنی یادگار کے طور پر چھوڑ گیا ہے اس داستان کو پوری توجہ سے پڑھیں اور اس داستان کے ہیرو کے بارے میں جو حقائق معلوم ہوں انہیں گرہ میں باندھ رکھیں۔

سرداران قبائل مکہ جن کی تعداد چالیس کے قریب ہے، سب کے سب رسولؐ خدا محمدؐ بن عبداللہ کی جان لینے کے لئے دار الندوہ میں جو مکہ والوں کی نامی گرامی مشورہ گاہ تھی، جمع ہوئے ہیں اور اپنے شیطانی منصوبے کو شیطان کی غیر حاضری میں بناتے ہیں اور اسے عملی جامہ پہنانے کا پختہ ارادہ کر لیتے ہیں۔ اسی اثناء میں ایک پرکشش چہرے والا غیر معروف وہاں پہنچتا ہے اور

اندر آنے کی اجازت طلب کرتا ہے، جب اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟
تو وہ جواب دیتا ہے:

"میں نجد کا ایک پیر مرد ہوں، مجھے خبر ملی ہے کہ تم ایک اہم کام (نابودی محمدؐ بن عبداللہ) کے لئے جمع ہوئے ہو تو تم کو اپنی رائے سے آگاہ کرنے کے لئے آگیا ہوں، ممکن ہے کہ اس بارے میں میں تمہاری فکری مدد کر سکوں۔"

پیر مرد کو داخلے کی اجازت دے دی گئی اور وہ آکر بیٹھ گیا، تب مجمع کا ایک مقرر جو ظاہراً ابوجہل تھا کھڑا ہوا اور اس طرح اپنے سخن کا آغاز کیا:

"ہم حرم خدا والے ہیں، تمام قبائل میں ہمارا احترام تھا ہمارے شہر ہر سال خانۂ خدا کی زیارت کے لئے عرب آتے تھے۔ ہمکو اپنا بزرگ و سردار جانتے تھے، یہاں تک کہ ہمارے درمیان محمدؐ بن عبداللہ نے نشو و نما پائی اور ہم نے اس کی اصلاح و راستی و درستگی کی خاطر اسے امین کا لقب دیا۔ اس کے مقام و مرتبہ کے قائل ہوگئے۔ اس کی ہم عزت کرنے لگے لیکن اس نے اس سے غلط فائدہ اٹھایا اور نبوت و پیغمبری کا مدعی ہو کر کہنے لگا کہ:

آسمان سے میرے لئے خبر (وحی) آتی ہے اور پھر اس نے ایک ایسا کلام پڑھ کر سنایا جس کے بارے میں وہ کہتا ہے کہ یہ کلام خدا ہے جو میری زبان پر جاری ہو رہا ہے۔ اپنی تبلیغ اور مخصوص اخلاق کے بل پر اس نے چند آدمیوں کو اپنے گرد جمع کر لیا ہے اور ہمارے درمیان تفرقہ پھیلا دیا ہے وہ ہمارے عقلمندوں کو بے وقوف و بے عقل اور اپنے طرفداروں کو عاقل سمجھتا ہے اور

ہمارے جوانوں کو جو کم تجربہ کار ہونے کے سبب سے اس کی طرف مائل ہو گئے اور اس طرح ہماری جمعیت میں پراگندگی پھیلا دی ہے اس کے بعد اس نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ وہ کہتا ہے جو شخص اس کے دین اسلام کو قبول نہیں کریگا وہ مر جائے گا تو اس کی جگہ دوزخ ہوگی، یہ بہت بڑی مصیبت ہے جو ہم پر آ پڑی ہے کہ وہ ہم کو غضبِ خدا کا مستحق بتاتا ہے۔ اس کی تبلیغات کا کام اتنا ہو گیا ہے کہ ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے۔ ہم سب پر لازم ہے کہ جزیرۂ عرب میں اپنی عزت کو محفوظ رکھنے کے لیے کوئی راہِ نجات تلاش کریں۔ اور میں نے اس کا حل سوچ رکھا ہے۔ یہ سننا تھا کہ سب ایک آواز ہو کر بول پڑے، کیا سوچا ہے؟ اس نے کہا ہم ایک بے خوف و نڈر آدمی ڈھونڈ نکالیں اور اسے محمدؐ بن عبداللہ کے قتل پر متقرر کریں اور وہ ان کو بڑی خاموشی کے ساتھ ٹھکانے لگا دے اور ہم کو اس کے پنجے سے چھڑا دے اور اگر بنی ہاشم اس کے خون بہا کا مطالبہ کریں گے تو ہم ایک کے بدلے دس خون بہا دے دیں گے۔

اسی اثناء میں وہ غیر معروف مرد پیر بول پڑا کہ یہ رائے درست نہیں ہے لوگوں نے پوچھا کہ کیوں؟ اس نے کہا بنی ہاشم دلیر و بہادر ہیں وہ محمدؐ کے قاتل کو ہرگز زندہ نہ چھوڑیں گے۔ تم میں سے کون اپنی جان گنوانے پر تیار ہے؟۔ بہر حال اگر کوئی اس کام پر تیار و راضی بھی ہو تو قبائل کے درمیان جنگ و خونریزی پھیل جائے گی اور سبھی مر کٹ کر ختم ہو جائیں گے۔

سرداران قوم قریش میں سے ایک شخص بنام ابوالبختری نے کہا:۔

"میں اسی میں بہتری سمجھتا ہوں کہ محمدؐ کو ایک گھر میں قید کر دو اور

ان کو روزانہ بہت کم خوراک و پانی دو یہاں تک کہ وہ آہستہ آہستہ
مر جائیں اور ان کا دین بھی نہ پھیل سکے ۔ "
ایک بار پھر وہ بوڑھا بولا :
"یہ رائے تو پہلی رائے سے بھی بدتر ہے" ۔ لوگوں نے کہا کیوں ؟
تو اس نے جواب دیا :
اس لئے کہ بنی ہاشم اسے برداشت نہیں کریں گے اور تم سے جنگ کرنے پر
کمربستہ ہو جائیں گے ۔ اگر وہ تم سے اکیلے نہ نپٹ سکے تو حج کے موسم میں دوسرے
قبیلوں سے مدد لے کر محمدؐ کو قید سے آزاد کرا لیں گے اور تم ہمیشہ کے لئے
ذلیل ہو جاؤ گے ۔
ایک تیسرے شخص نے اپنا نظریہ یوں پیش کیا :
" علاج یہ ہے کہ محمدؐ کو ایک سرکش و تیز رفتار اونٹ پر بٹھا کر شہر کے
باہر بیابان کی طرف لے جاؤ اور پھر اونٹ کو ہانک دو اگر وہ ختم ہو
گئے تو بہت بہتر ورنہ زندہ رہنے پر بھی اگر اجنبی زمین پر وہ اپنے
دین کی تبلیغ کریں گے تو وہ لوگ ان کو بھرپور جواب دیں گے ۔
ان کو قتل کر کے ہمارا دل ٹھنڈا کریں گے اور ہم اطمینان کے ساتھ
اپنے خداؤں کی پرستش کریں گے ۔ "
وہ غیر معروف بوڑھا پھر بولا کہ یہ رائے تو پچھلی دو رائے سے بھی بدتر ہے
پوچھا کیوں ؟ اس نے کہا :
محمدؐ کی سحر بیانی و شیریں سخنی اور اس کے اخلاق حمیدہ ظاہر و باطن
میں تم ایسے باوجاہت اور شعلہ بیان خطیب کو جو فصاحت و بلاغت

سے بھی متصف ہے دوسرے قبائل اور قریبی شہروں میں خود بھیج رہے ہو تاکہ وہ اپنے اوصاف کے ذریعے دوسروں کو بھی گرویدہ کر لے اور پھر تم پر چڑھ کر آئے اور تم کو ہمیشہ کے لئے ملیا میٹ کر دے۔ یہ بات تو تمہارے لئے سب سے زیادہ خطرناک ہے۔"

اس کے بعد اس نے کہا کہ تم میں سے کسی کا خیال درست نہیں۔ تم سب کی باتیں عقل کے ترازو پر پوری نہیں اترتی ہیں۔

پھر مجمع میں سے کوئی نہیں اٹھا اور خاموشی چھا گئی سب لوگ سر جھکائے سوچتے رہے تھوڑی مدت اسی طرح گزری تو یکبار گی ابوجہل اور اس کے ساتھی اس پیر مرد سے کہنے لگے کہ اے بوڑھے تو شیطان سے کم چالاک نہیں۔

"وہ لوگ اس بات سے بے خبر تھے کہ وہ بوڑھا شیطان ہی ہے۔ بوڑھے کی شکل میں اس لئے آیا ہے کہ خاتم النبیینؐ محمدؐ کے منصوبہ قتل میں شریک ہو کر اپنے ساتھیوں کو راستہ بتائے۔"

اب تو ہی بتا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے اور اس خطرناک کام کو کس طرح انجام دینا چاہیئے، اور عبداللہ کے بیٹے کو کیسے ختم کرنا چاہیے؟

اس راندۂ درگاہِ الٰہی نے پوری مجلس پر ایک نظر ڈالی اور کہا کہ اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ مکہ میں جتنے قبیلے ہیں، ان میں سے ہر ایک قبیلہ کا ایک ایک آدمی چن لیا جائے حتیٰ کہ قبیلہ بنی ہاشم میں سے بھی ایک فرد کا انتخاب کیا جائے اور وہ سب ایک معین رات کو

ہاتھوں میں تلوار تھام لیں اور یکبارگی خانۂ محمدؐ پر ٹوٹ پڑیں اور محمدؐ کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے ختم کر دیں۔ اس طرح سب کے سب ان کے قتل میں شریک ہو جائیں گے۔ اور محمدؐ کا خون تمام قبائل میں تقسیم ہو جائے گا اور کوئی شخص حتیٰ کہ بنی ہاشم بھی جو خود بھی اس قتل میں شریک ہوں گے۔ دوسرے سے خون بہا کا مطالبہ نہ کر سکیں گے نہ تمام قبیلوں سے جنگ ہی کر پائیں گے۔

اس طرح خون محمدؐ رائیگاں جائے گا اور تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گے۔ یہ بہترین منصوبہ ہے اگر عمل میں آیا تو سبھی محمدؐ سے نجات پا جائیں گے سب نے پیر مرد کے قول کو سراہا اور بولے یہی بہترین رائے ہے۔ ہم کو اسی مجلس میں ان افراد کا انتخاب کر لینا چاہیے۔

چنانچہ وہیں قاتل بھی چن لئے گئے۔ بنی ہاشم سے پیغمبرؐ کا چچا ابولہب اس کام کے لئے مقرر کیا گیا۔ قتل کی رات کا تعین ہوا اور جلسہ برخواست ہو گیا۔ وہ مقررہ شب آپہنچی جسے لیلۃ المبیت یا شب ہجرت کہتے ہیں اور ہر قبیلے کا ایک ایک مرد تلوار لے کر خانہ رسول خداؐ کے پاس جمع ہو گیا۔ آنحضرتؐ کے گھر کو گھیر لیا اور بس اتنا انتظار تھا کہ کسی وقت بھی یہ وحشیانہ حملہ کے ساتھ اپنے منحوس منصوبے کو عمل میں لے آئیں۔

فرشتۂ وحی نازل ہوتا ہے:

دوسری طرف اسی رات جبرئیل امین وحی لے کر پیغمبرؐ پر نازل ہوتے ہیں اور مشرکین کی سازشں سے پیغمبرؐ کو بہ ضمن آیت ۳۰ سورہ انفال اطلاع دیتے ہیں:

" کافر سوچتے ہیں کہ تم کو مار ڈالیں یا قید خانے میں ڈال دیں یا قتل کر دیں یا شہر مکہ سے دور کر دیں وہ اپنی تدبیریں کر رہے ہیں اور

خدا اپنی تدبیر میں سے وہ بہترین چارہ جو اور مدبّر ہے"

جس وقت پیغمبرؐ اکرم کافروں کی اس سازش سے آگاہ ہوئے تو طے کیا کہ ایک فدا کار مؤمن و شناختہ فرد کو اپنے بستر پر سلادیں اور خود اللہ کے حکم سے ہجرت کر کے اپنی جان کو خطرے سے دور کرلیں۔ ایسی حالت میں ہماری داستان کے ہیرو کے سوا اور کوئی نظر نہ آیا جو ایسی فداکاری و خود گزشتگی و جاں فشانی کا اظہار کرے۔

اس موقع پر کہنے کی بات یہ ہے کہ خطرے کے اولین مرحلہ میں فرزندِ ابو طالب علیؑ کے چہرۂ درخشاں پر خصوصی چمک پیدا ہوئی اور وہ ان کے پیروان کے لئے بزرگترین افتخارات میں ہے۔

پیغمبرؐ اسلام اسے دوسروں سے زیادہ پہچانتے تھے۔ اور جانتے تھے کہ مولا متّقیان علیؑ سے زیادہ نزدیک تر ان کے لئے کوئی نہیں کہ وہ آنحضرتؐ پر ایمان لائے اور روز بعثت سے آج تک ہمہ وقت شمع رسالت کے پروانہ بنے ہوئے ہیں۔ وہی اس جانبازی و فدا کاری کو بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے پیغمبرؐ نے یہ فرمان خدا امیرالمؤمنین علی علیہ السلام کو تمام حالات سے آگاہ کر کے فرمایا:

"میرے علیؑ! تم آج کی رات میرے بستر پر سو جاؤ اور وہ سبز چادر اوڑھ لو جو میرے استعمال میں رہتی ہے تاکہ میں مکہ سے نکل کر مدینہ ہجرت کر جاؤں۔"

علیؑ نے پیغمبرؐ کی بات کو دل و جان سے قبول کیا اور صرف یہ پوچھا کہ اگر میں آپؐ کی جگہ سو جاؤں تو آپ صحیح و سالم رہیں گے؟ رسولؐ خدا نے فرمایا، ہاں علیؑ

پھر کچھ نہ بولے اور صرف تبسّم فرمایا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بلا تامل بستر پیغمبرؐ پہ سونے کے لئے پوری طرح آمادہ ہیں۔

سچ ہے کہ اس پرخطرات و دہشتناک وقت میں کوئی اپنی جان بچانے کے سوا کچھ اور سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ تلواروں کو اپنی جان پہ لے کر رسولؐ خدا کو خطرے سے نکال دے۔ سوائے علیؑ کے کون تھا جو پیغمبرؐ سے اتنا زیادہ علاقہ مند تھا کہ پیغمبرؐ اس سے یہ راز کی بات کہتے۔ کتاب کی مناسبت سے ایک جملہ کہہ کر ہم کلام کو اختتام تک پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں:

"وہ جانباز و فداکار وہ مؤمن حقیقی وہ دوستدارِ پیغمبرؐ علیؑ ہے علیؑ ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں ہے"

اس رات پیغمبرؐ اسلام محاصرہ کے حلقہ سے نکل کر غارِ ثور کی طرف روانہ ہوتے ہیں اور ہماری داستان کا ہیرو علیؑ پیغمبرؐ کے بستر پر سو جاتا ہے اور جس وقت وہ چالیس آدمی قبضۂ شمشیر پہ ہاتھ رکھے ہوئے پیغمبرؐ محمدؐ بن عبداللہ کے حجرے میں گھستے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تلواروں کو سوئے ہوئے آدمی پر ماریں اسی وقت حضرت علیؑ سر کو تکیہ سے اٹھاتے ہیں، سبز چادر الٹ دیتے ہیں اور بڑی نرمی و ضبط کے ساتھ رات کے ان شیطانوں سے کہتے ہیں، کیا کہتے ہو؟ اس طرح سے سرورِ کائناتؐ کے گھر میں کیوں گھس آئے ہو؟ کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم محمدؐ کو چاہتے ہیں وہ کہاں ہیں؟ ان کو ہمارے حوالے کردو۔ علیؑ نے فرمایا کہ کیا تم ان کو میرے سپرد کر گئے تھے۔ وہ شہر کے باہر جا چکے ہیں میں علیؑ ابن ابی طالب ہوں۔

جیسے ہی یہ بت پرست رسولؐ خدا کی مہاجرت سے آگاہ ہوئے، غیظ و

غضب سے ان کے چہرے لال بھبھوکا ہوگئے اور اپنی رسوائی اور وار کے خالی جانے سے سخت بدمزہ ہوئے دانتوں سے اپنی انگلیاں چباتے ہوئے آنحضرتؐ کے گھر سے باہر نکل گئے۔ یہ تھی فداکاری و شجاعت اور جوانمردی مولائے متقیان علیؑ ابن ابی طالب کی جو سب پر ظاہر ہے۔ خدمت و جانبازی اور جانفشانی کا ستارہ اس تاریخی و تاریک رات میں ابد تک ایک تمغۂ امتیاز کی طرح چمکتا رہے گا۔ اس نے مردانہ شجاعت کا سب سے بلند مرتبہ حاصل کیا ہے جو اس کے اور اس کے پیروؤں کے لیئے سرمایۂ افتخار ہے۔

خداوند عالم نے علیؑ کی اس جانبازی اور فداکاری کی مناسبت سے اس مفہوم کی آیت اتاری ہے[۱] بعض لوگوں نے خدا سے معاملہ کیا اور رضائے خدا کے لیئے جان خطرے میں ڈال دی یا فدا کردی خدا اپنے بندوں پر مہربان ورحیم ہے[۲]

بعض مورخین نے اس خطرناک گھڑی میں حضرت علیؑ کی فداکاری و جانبازی کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس رات خداوند تبارک و تعالیٰ نے اپنے دو مقرب فرشتوں جبرئیل و میکائیل سے فرمایا کہ میں (خدا) نے تم دونوں کے درمیان برادری کا رشتہ قائم کیا ہے اور ایک کی عمر دوسرے سے زیادہ رکھی ہے۔ تم میں سے کون ہے جو اپنی عمر کو دوسرے پر فدا کرنے کے لیئے آمادہ ہو جائے؟ ان دونوں میں سے کوئی بھی اس فداکاری پر راضی نہ ہوا۔ اس وقت خدائے عزّ و جلّ نے فرمایا کہ:

"اب علیؑ بن ابی طالب کا درجہ معلوم ہوا میں اس کی وجہ سے تمام فرشتوں پر مباہات کرتا ہوں۔ جب میں نے اس کے اور محمدؐ کے درمیان برادری قائم کی اور محمدؐ نے چاہا کہ وہ ان کے

بستر پر سو جائے تو خود کو بلا کے سپرد کر دیا، اس نے قبول کیا اور اپنی جان محمدؐ پر فدا کردی ــــ "

اب تم دونوں زمین پر جاؤ اور دشمنوں سے اس کی حفاظت کرو ۔ دونوں مقرب فرشتے زمین پر آئے اور جبرئیل امین بالائے سر علیؑ اور میکائیل پائین ٍپا کھڑے ہو گئے ۔ جبرئیل امین نے کہا:

"اے علیؑ اے پسر ابو طالب ۔ خدا تمہاری اس فدا کاری کے باعث فرشتوں پر فخر و مباہات کر رہا ہے اور تمہاری ہستی پر ان کے درمیان نازش کر رہا ہے پھر یہ آیہ ومن الناس من یشری نفسہ الخ آخر تک تلاوت فرمائی[۲]

---

[۱] ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤوف بالعباد ۔

[۲] : زندگانی محمدؐ

کتابیات

۱- قرآن مجید
۲- نہج البلاغہ، صبحی صالح
۳- ″ محمّدؐ عبدہ
۴- ″ فیض الاسلام
۵- ″ موضوعی
۶- تفسیر منہج الصادقین
۷- ″ مجمع البیان
۸- ″ فخر رازی
۹- ″ علی ابن ابراہیم
۱۰- ″ نمونہ
۱۱- ″ طبری
۱۲- تاریخ تمدن اسلام و عرب
۱۳- ″ ابن اثیر
۱۴- ″ یعقوبی
۱۵- ″ طبری
۱۶- ناسخ التواریخ
۱۷- فروغِ ابدیت
۱۸- بحار الانوار
۱۹- منتہی الآمال
۲۰- زندگانی حضرت محمدؐ
۲۱- مسلمانان صدر اسلام
۲۲- سیرت ابن ہشام
۲۳- سیرت حلبی
۲۴- سفینۃ البحار
۲۵- سیمائے جوانان
۲۶- منتخب التواریخ
۲۷- صحیح بخاری
۲۸- صحیح مسلم
۲۹- فتوح البلدان
۳۰- اعیان الشیعہ
۳۱- کتاب الارشاد
۳۲- کتاب ملل و نحل
۳۳- طبقات ابن سعد
۳۴- مناقب شہر آشوب

۳۵- طبقات کبریٰ
۳۶- قہرمانان راستین
۳۷- پیامبر نور
۳۸- پیامبر رہنما
۳۹- (مجلہ) مکتب اسلام
۴۰- (مجلہ) نسل نو

۱۵ رجب المرجب ۱۴۰۴ھ

فہرست

۱-	پیشکش	۱
۲-	حرفِ آغاز	۲
۳-	مقدمہ	۴
۴-	زندہ دل بوڑھا	۸
۵-	تمناؤں کی عید	۱۱
۶-	اس تلوار کا حق کیا ہے؟	۱۴
۷-	شہید جس کی لاش ٹکڑے ٹکڑے کر دی گئی	۱۸
۸-	پھر کب ملاقات ہوگی؟	۲۳
۹-	جنگِ اُحد میں پیغمبرؐ کا علمدار لشکر	۲۵
۱۰-	خدائے محمدؐ زندہ ہے	۲۹
۱۱-	شہید جسے فرشتوں نے غسل دیا	۳۲
۱۲-	فرشتے اس پر سایہ کرتے ہیں	۳۵
۱۳-	میرے دل کو اس کی طرف راغب کر دے	۴۱
۱۴-	میرا مددگار خدا ہے	۴۴
۱۵-	دو ہاتھوں کے بجائے دو پَر	۵۰
۱۶-	آرزوئے شہادت	۵۷
۱۷-	شمع بجھ گئی روشنی باقی ہے	۶۱
۱۸-	میرے جنازے کو مشرکوں سے محفوظ رکھنا	۶۵
۱۹-	یارانِ رسولِ خداؐ ایسے تھے	۷۲
۲۰-	راہِ خدا میں میرا خون ہیچ ہے	۷۵
۲۱-	خدا کی قسم میں نجات یافتہ ہو گیا	۸۱
۲۲-	چھٹے نمبر پر اسلام لانے والا	۸۵
۲۳-	میں علیؑ ابن ابی طالبؑ ہوں	۹۰
۲۴-	کتابیات	۱۰۰